ایوان ترگنیف

IVAN
TURGENEV

FIRST LOVE

پہلی محبت

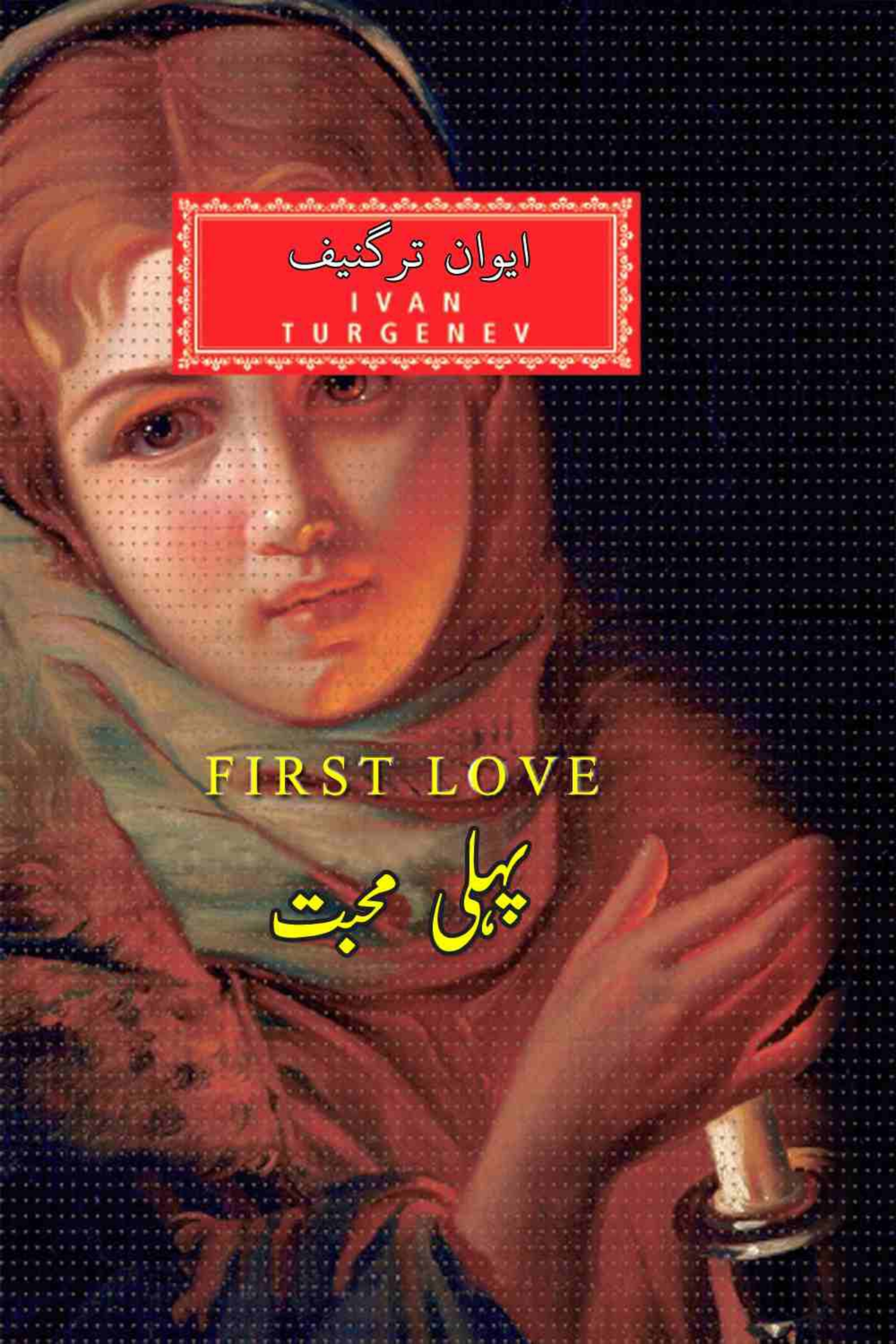

www.taemeernews.com

پہلی محبّت

مترجم: مخمور جالندھری

مکتبہ شاہراہ، دہلی ۶

www.taemeernews.com

آئی وان تورگنیف

تورگنیف ایک اچھے گھرانے میں پیدا ہوا۔ وہ گذشتہ صدی کے روس اور مغربی یورپ کی تاریخ کے ہنگامہ پرور دور میں زندہ رہا۔ تورگنیف اپنے عہد کا انسان تھا۔ اس نے اپنی ادبی تخلیقات سے اپنے وقت کی پود کے ذہن و دل کو متاثر کرنے کی کوشش کی۔ اس نے اپنے وطن میں سماجی تحریک اور روس کی ثقافتی زندگی کی نامور شخصیتوں مثلاً بلنیسکی، ہرزن، نکراسف، دوستوفسکی اور ٹالسٹائی سے ذاتی میل جول پیدا کیا اور خط و کتابت جاری رکھی اور مغرب میں وہ فلابیئر، زولا اور موپاساں کا دوست تھا۔

ادیب کی حیثیت سے تورگنیف اپنی حقیقت پسندی کی وجہ سے مشہور ہے۔ وہ زندگی کے مشاہدات کو فنکارانہ رنگ دینے میں کمال رکھتا تھا۔ وہ وقت کے نئے تقاضوں پر فوراً عبور حاصل کر لیتا تھا اور وہ اس بات کا سختی کے ساتھ حامی تھا کہ قومیت کے بغیر نہ کوئی آرٹ ہے، نہ کوئی صداقت ہے، نہ کوئی زندگی ہے۔ وہ اپنے ادب میں اپنے ملک و قوم کی زندگی کی عکاسی کا علمبردار تھا۔ اس نے ایک دفعہ لکھا "صداقت اور حقیقت کی دلیری اور ایمانداری کے ساتھ عکاسی ایک ادیب کے لئے سب سے بڑی مسرت ہے چاہے وہ صداقت اس کی اپنی ہمدردیوں کے ساتھ ٹکرا نہ کھاتی ہو۔"

www.taemeernews.com

تورگنیف تعلیم وثقافت کا اعلیٰ معیار رکھتا تھا۔ فرانس کے عدیم المثال افسانہ نگار موپاساں نے اس کے بارے میں لکھا ہے "وہ ایک عظیم الشان ناول نگار ہے جس نے سارے یورپ کا سفر کیا ہے۔ جو اپنے عہد کے تمام عظیم انسانوں کو جانتا ہے اور ایک انسان جتنا کچھ پڑھ سکتا ہے اس نے پڑھا ہے۔"

تورگنیف روسی عورتوں کی توانا عکاسی کے لئے مشہور ہے۔ وہ اپنے ناول میں روس کی عورتوں کی بیداری، زندگی کی مقدس چیزوں کے لئے ان کی تلاش، ان کے مضبوط کرداروں اور ان کے محبت کرنے والے دلوں، اوباشی، زدالت اور کمزوری سے ان کی نفرت، شجاعت اور صداقت کے لئے ان کی تعریف اور ان کی اندرونی زندگی کی قوت کا ثنا خواں ہے۔

ناولٹ "پہلی محبت" میں بھی زنیدا ایک ایسی عورت ہے جو ذہانت، شگفتگی، تازگی، توانائی اور زندگی کی مسرتوں کا مجسمہ ہے۔ ناولٹ "پہلی محبت" تورگنیف کے اپنے طبقہ کی اندوہناک داستان بھی ہے۔ اس میں وہ اس دولت مند دانشور پود کو پیش کرتا ہے جو انسان دوستی اور آزاد خیالی کے پردے میں خود پسندی اور ہوس پرستی کو چھپائے ہوئے تھی۔

تورگنیف نے نہ صرف اپنے ملک کے ادب کو بلکہ عالمی ادب کو مالا مال کیا ہے اور اس نے بنی نوع انسان کے ذہن میں انسان دوست اور جمہوری مفاہمت کو مضبوط بنانے کے لئے کامیابی کے ساتھ کڑی محنت کی اور یہی اس کے دوام کا سبب ہے۔

مخمور جالندھری

www.taemeernews.com

پہلی محبّت

... مہمانوں کو گئے ہوئے دیر ہو چکی تھی۔ کلاک نے ساڑھے بارہ بجائے۔ کمرے میں میزبان، سرگے نکولیچ اور ولادمیر پیٹرووچ کے سوا کوئی بھی نہیں رہ گیا تھا۔ میزبان نے گھنٹی بجا کر ملازم کو بلوایا تاکہ وہ رات کا بچا کھچا کھانا اٹھا کر لے جائے۔

"ہاں تو ہم اس بات پر متفق ہیں" میزبان نے بازوؤں والی کرسی میں آرام سے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہم میں سے ہر ایک کو اپنی پہلی محبت کی داستان سنانا ہے۔ سرگے نکولیچ تم اس کا آغاز کرو!"

سرگے نکولیچ ٹھنگنے سے قد کا گل بچھلا اور بھرے بھرے خدوخال اور صاف رنگ کا شخص تھا۔ اس نے میزبان کی طرف دیکھا اور اپنی آنکھیں چھت پر جما دیں۔ "مجھے تو پہلی محبت کبھی میسر ہی نہیں آئی" وہ آخر کار بولا۔ "میں نے تو دوسری محبت سے براہِ راست آغاز کیا۔"

"وہ کیوں کر؟"

"سیدھی سی بات ہے۔ میں اٹھارہ سال کا تھا جب میں نے ایک جواں سال اور دلربا خاتون کے ساتھ عشق کا آغاز کیا۔ لیکن میرا رویّہ ایسا تھا جیسے کوئی نئی بات نہ ہو لی ہو۔ بالکل اس طرح جیسے میں نے بعد میں دوسری عورتوں کے ساتھ محبت کی حقیقت تو یہ ہے کہ میں پہلی اور آخری مرتبہ محبت میں چھ برس کی عمر میں مبتلا ہوا اور وہ بھی اپنی آیا

www.taemeernews.com

کے ساتھ لیکن اس بات کو گذرے ایک مدت ہو چکی ہے اور آپا کے ساتھ میرے رشتہ کی تفصیلات میرے ذہن سے اُتر چکی ہیں اور اگر میں انھیں یاد کرنے کی کوشش بھی کروں تو اُس میں کون دلچسپی لے گا۔"

"تو پھر ہم کیا کریں؟" میزبان نے کہا۔" میری اپنی پہلی محبت کی داستان میں بھی تفریح کا کوئی عنصر نہیں ہے۔ جب میری ملاقات اناّ آئی وانوفنا میری موجودہ بیوی سے ہوئی تو اس سے پہلے میں نے محبت نہیں کی تھی اور ہماری محبت ابتدا ہی سے ایک ہموار ڈھرے پر چلتی رہی۔ ہمارے والدین نے ہمارا ناطہ جوڑا اور ہم جلد ہی ایک دوسرے کو چاہنے لگے اور بلا کسی تاخیر کے ہم نے شادی کر لی۔ میں اپنی داستان صرف چند لفظوں میں بیان کر سکتا ہوں اور حضرات میں اس بات کو تسلیم کر لیتا ہوں کہ جب میں نے پہلی محبت کا سوال اٹھایا تھا تو میں آپ کی کہانی سننے کا آرزومند تھا کیونکہ آپ اگر بوڑھے نہیں ہیں تو کنوارے بھی نہیں ہیں۔ شاید تم کوئی دلچسپ داستان سُنا سکو۔ ولادمیر پٹیروویچ؟"

ولادمیر پٹیروویچ چالیس برس کے شخص نے جس کے بال بھورے تھے بلا جھجک کہا "میری پہلی محبت کی داستان واقعی خلاف معمول ہے۔"

"آہا" میزبان کے منہ سے نکلا۔ اس استعجاب میں سرگے نکولیچ نے بھی ساتھ دیا۔

"بہت خوب تو پھر سناؤ اپنی کہانی۔"

"بہت اچھا.... لیکن میں تمہیں اپنی کہانی نہیں سُنا سکوں گا کیونکہ میں ایک اچھا داستان گو نہیں ہوں۔ مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں نے اپنا افسانہ سُنایا تو وہ خشک ہوگا، یا مختصر ہوگا یا طویل ہو جائے گا اور جھوٹا معلوم ہوگا۔ اگر آپ کوئی اعتراض نہ کریں تو میں اُسے لکھ کر سُنا سکتا ہوں یعنی جو کچھ مجھے یاد آئے گا میں اُسے ایک کاپی پر لکھ لوں گا اور پھر تمہیں پڑھ کر سُنا دوں گا۔"

اس کے ساتھیوں نے پہلے تو احتجاج کیا لیکن آخر میں ولادمیر پٹیروویچ کی بات مان لی گئی۔ پندرہ روز کے بعد وہ پھر ملے اور ولادمیر پٹیروویچ نے اپنے آپ کو سچا ثابت کیا۔

اس نے اپنے سننے والوں کو جو کچھ اپنی کاپی سے پڑھ کر سُنایا وہ حسبِ ذیل ہے:۔

www.taemeernews.com

اُس وقت میری عمر ۱۶ برس کی تھی اور جو داستان میں آپ کو سُنانے والا ہوں وہ ۱۸۳۳ء کے موسم گرما میں واقع ہوئی۔

میں ان دنوں اپنے والدین کے ساتھ ماسکو میں رہتا تھا۔ انھوں نے شہر کے باہر ایک مکان کاؤز کی پھاٹک کے قریب سیکوچینی باغ کے مقابل لے رکھا تھا۔ میں یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا مگر زیادہ محنت نہیں کر رہا تھا مجھے مکمل آزادی حاصل تھی اور جو میرے جی میں آتا تھا وہی کرتا تھا بالخصوص اپنے آخری اُستاد سے جُدا ہو جانے کے بعد۔ وہ ایک فرانسیسی تھا جو ہرگز یہ بات نہیں بھولتا تھا کہ وہ روس میں ایک معمولی آدمی کی حیثیت سے وارد ہوا تھا اور جو صبح و شام پلنگ پہ لیٹا ہوا سرکشی کے انداز میں کروٹیں بدلتا رہتا تھا۔ میرے والد مجھ سے میل جول رکھتے ہوئے بھی مجھ سے لاپروا تھے۔ میری والدہ مجھے خاطر میں نہیں لاتی تھی اگرچہ میں اُن کا اکلوتا بچہ تھا والدہ کو دوسرے تفکرات گھیرے رہتے تھے۔ میرے والد ابھی تک جواں سال اور خوبصورت تھے اور انھوں نے میری والدہ سے ان کی دولت کی خاطر شادی کی تھی۔ میری والدہ میرے والد سے عمر میں دس سال بڑی تھیں میری والدہ نہایت ہی افسردہ زندگی بسر کر رہی تھیں۔ ہر وقت فکرمند رہتیں۔ حسد کرتیں، بد دلی سے دوچار رہتیں۔ والد کی موجودگی میں زبردستی شگفتہ رہنے کی کوشش کرتیں۔ والد کی طرف سے انھیں ہمیشہ کچھ اندیشہ رہتا اور والد نہایت سرد مہری کے ساتھ اُن سے الگ رہتے اور وہ اپنے آپ کو سخت گیر ثابت کرتے۔ میں نے آج تک اپنے والد سا نفاست پسند، پُر اعتماد اور تحکم پسند کوئی شخص نہیں دیکھا۔ میں اس گھر میں گذارے ہوئے پہلے ہفتوں کو کبھی نہیں بھول سکوں گا۔ موسم نہایت خوشگوار تھا۔ ہم وہاں ۹ مئی کو سینٹ نکولس کے دن گئے تھے۔ میں سیکوچینی باغ کی روشوں پر

www.taemeernews.com

ٹہلتا اور بعض اوقات شہر سے دُور نکل جاتا۔ میں ہمیشہ اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی کتاب رکھتا خاص طور پر کیٹس کی لکھی ہوئی تاریخ۔ یا اس قسم کی کوئی اور کتاب۔ مگر اس کتاب کو بمشکل کھول پاتا۔ میں شعر گنگناتا رہتا۔ میری یادداشت بہت اچھی تھی۔ میرے دل میں ایک عجیب و غریب اور نامعلوم سا درد اٹھتا رہتا تھا۔ مجھے ہر وقت کسی نہ کسی چیز کی توقع رہتی، خوف رہتا۔ میرے لہو میں ٹیس سی اُٹھتی رہتی۔ میرا ذہن اُن دنوں بہت کھلنڈرا ہو گیا تھا اور میرے خیالات ایک ہی چیز کے گرد منڈلاتے رہتے جیسے چھجے کے اوپر ہمیشہ چیل منڈلاتی رہتی ہے۔ میں یادوں میں ڈوب جاتا۔ اُداس ہو جاتا اور بعض اوقات میری آنکھوں میں آنسو آجاتے لیکن ان آنسوؤں اور اُداسی کے اچانک دورہ کے باوجود چاہے یہ اُداسی اور آنسو کسی مترنم شعر یا شام کے حسن کی وجہ سے پیدا ہوتے میں پُرشباب زندگی کی طرف انگیز کیفیت محسوس کرتا۔ یہ پُرشباب زندگی طوفانی بھی تھی اور سکون انگیز بھی جیسے موسم بہار میں گھاس کی پتیاں پھوٹتی ہیں۔

میرے اپنے استعمال کے لئے ایک گھوڑا بھی تھا۔ میں اس گھوڑے پر خود زین ڈالتا اور اُسے سرپٹ دوڑاتا ہوا خود کو ایک جری اور بہادر شخص خیال کرتا۔ ہوا میرے کان کے پاس سے سیٹی بجاتی گذرتی۔ میں آسمان کی طرف منہ اٹھا کر اپنے دل میں اس کی روشنی اور نیلاہٹ کو جذب کرنے کی کوشش کرتا۔

جیسا کہ مجھے یاد آتا ہے ایک عورت کا تصور، ایک عورت کی محبت کا دھندلا سا خاکہ میرے ذہن میں ایک مکمل صورت اختیار کرتا اور ان سب باتوں سے مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ میرے دل میں کسی نئی بات کا ایک نہایت ہی شیریں واقع کا نسوانیت کی طرح کسی شے کا نیم شعوری اور حجاب آمیز اندیشہ رینگ رہا ہے۔

یہ اندیشہ، یہ مسلسل توقع میرے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ میں اس میں سانس لیتا، اس کو اپنی رگوں میں اپنے خون کی ہر بوند میں دوڑتا ہوا محسوس کرتا اور جلد ہی اس اندیشہ کو اس توقع کو حقیقت کا جامہ پہننا تھا۔

ہمارے دیہی مکان کی بڑی عمارت دراصل لکڑی کا ایک مکان تھی اور اس کے

www.taemeernews.com

ساتھ ایک لمبی قطار نیچی چھت والے کمرے منسلک تھے اور دیوار کا سستا کاغذ بنانے والی ایک فیکٹری تھی جو بائیں بازو کی منسلکہ عمارت میں واقع تھی۔ میں وہاں ایک درجن دُبلے پتلے، معصوم صورت لڑکوں کو دیکھنے کے لئے جاتا تھا۔ جو نیلے کچیلے انگرکھے پہنے لکڑی کے بیور پر کودتے رہتے تھے جو دباؤ ڈالنے کے مستطیل چرخھٹے کو حرکت میں لاتا تھا دائیں طرف کی منسلکہ منزل کرایہ کے لئے خالی پڑی تھی۔ ایک دن تین ہفتوں کے بعد اس منسلکہ عمارت کی کھڑکیاں کھول دی گئیں اور کھڑکیوں میں عورتوں کے چہرے دکھائی دیئے کسی کنبے نے دائیں بازو کی یہ عمارت کرایہ پر لے لی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ اس روز دوپہر کے کھانے پر میری والدہ نے خانساماں سے پوچھا تھا کہ پڑوس میں آنے والے کون ہیں اور شہزادی زاسے کینا کا نام سُن کر میری والدہ نے احترام کے بغیر کہا تھا "اوہ شہزادی ہے ..... تو پھر ضرور کوئی نادار شہزادی ہوگی"

"وہ تین چھکڑوں میں سامان بھر کے لائے ہیں" خانساماں نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا "اُن کی اپنی کوئی گاڑی نہیں ہے اور اُن کا فرنیچر تو نہایت سستی قسم کا ہے"

"اچھا ــــ" میری والدہ نے کہا "خیر اچھا ہوا"

میرے والد نے والدہ کی طرف سرد سی نگاہ ڈالی اور میری والدہ خاموش ہوگئیں۔ اور یہ ایک سچی بات تھی کہ شہزادی زاسے کینا کوئی امیر عورت نہیں تھی۔ اس نے جو منسلکہ عمارت کرائے پر لی تھی وہ اس قدر بوسیدہ، چھوٹی اور نیچی چھت کی تھی کہ کوئی فارغ البال کنبہ وہاں رہنے پر رضامند نہ ہوتا۔ اس وقت میں نے اس گفتگو پر زیادہ توجہ نہ دی۔ شہزادی کے مرتبہ نے مجھ پر کوئی اثر نہ کیا کیونکہ میں نے انہی دنوں شیلر کا ایک ناول "ڈاکو" پڑھا تھا۔

۲

میری عادت تھی کہ میں احاطے میں کوّوں کو گولی کا نشانہ بنانے

www.taemeernews.com

کے لئے بندوق ہاتھ میں لئے چکر کاٹتا رہتا تھا۔ ان چالاک، پھرتیلے اور ہٹیو قسم کے پرندوں سے مجھے دیر سے نفرت تھی۔ جس روز کا میں ذکر کر رہا ہوں اس دن میں حسب معمول اپنی تلاش میں سرگرداں تھا اور ہر راستہ پر بے سود گھومنے کے بعد (کیونکہ کوّے مجھے دیکھ کر دُور جا بیٹھے تھے اور کائیں کائیں کر رہے تھے) میں اپنے احاطے اور دائیں طرف کی منسلکہ عمارت کے باغ کی درمیان والی نیچی باڑھ کے قریب پہنچ گیا۔ میں اپنی نظریں نیچی کئے ہوئے چل رہا تھا۔ دفعتاً مجھے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ میں نے باڑھ کے اوپر سے دیکھا اور وہیں بُت بن کر ساکت و صامت کھڑا رہا۔ مجھے ایک عجیب و غریب منظر دکھائی دیا۔

چند قدموں کے فاصلہ پر راسپبری کی جھاڑیوں کے درمیان جھری میں لمبے قد کی ایک لڑکی کھڑی تھی جس نے گلابی رنگ کے دھاری دار ریشم کا لباس پہن رکھا تھا اور چار نوجوان اس کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھے اور وہ باری باری اُن کے ہاتھوں پر چھوٹے چھوٹے نیلے رنگ کے پھولوں کی ضربیں لگا رہی تھی۔ ان پھولوں کی پنکھڑیاں ماتھے جیسی سخت چیز سے ٹکرا کر بکھر رہی تھیں اور ہر نوجوان بڑے اشتیاق کے ساتھ اپنا ماتھا پیش کر رہا تھا اور لڑکی کی تمام حرکات (کیونکہ اس کی صورت میری طرف تھی) اتنی پیاری، جاذب نظر اور ساتھ ہی ساتھ مضحکہ خیز تھیں کہ میں حیرت اور مسرت سے قریب قریب چلا اٹھا اور اس وقت میں نے سوچا کہ ایسی دلفریب انگلیوں سے اپنی پیشانی پر طمانچہ کھانے کے لئے میں اپنی تمام متاع لٹا سکتا ہوں۔ میری بندوق کندھے سے پھسل کر گھاس پر گر پڑی۔ میں سب کچھ بھول گیا اور اپنی آنکھوں سے اس لڑکی کی پتلی کمر، نفیس گردن، حسین بازوؤں اور بھورے رنگ کے ژولیدہ بالوں کو نگلنے لگا جو اس کے سفید رومال سے باہر نکلے ہوئے تھے اس کی آنکھیں بڑی ذہین تھیں اور وہ اس کے گھنے ابروؤں تلے آدھی ڈھکی ہوئی تھیں اور پلکوں کے نیچے رخسار بڑے نازک تھے.....

"اے میاں لڑکے۔ اے میاں لڑکے!" کسی نے میرے کان کے پاس

www.taemeernews.com

آکر آواز دی "کیا یہ اچھے اطوار ہیں کہ تم جوان خاتون کو گھور رہے ہو؟"

میں چونک پڑا اور سکتے میں آگیا۔ میرے بالکل قریب بازو کی دوسری طرف ایک مرد کھڑا تھا جس کے بال کھچڑی تھے اور مجھے وہ طنزیہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔ عین اس وقت وہ لڑکی میری طرف مڑی۔ میں نے بھورے رنگ کی دو آنکھوں کو ایک شگفتہ چہرے میں جڑا ہوا پایا اور وہ چہرہ یک بیک ہنسنے لگا۔ اس کے دانت چمک رہے تھے اور دابر دونوں پر بل پڑ گیا تھا . . . . شرم کے مارے میرے رخسار تمتما اٹھے اور بندوق اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف بھاگا اور مجھے اپنے پیچھے قہقہے سنائی دیئے جن میں ذرہ بھر دوستی کی جھلک نہیں تھی۔ میں نے اپنے کمرے میں پہنچ کر خود کو بستر پر گرا دیا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ میں دل ہی دل میں شرمندہ بھی تھا اور خوش بھی۔ میں نے کبھی اتنی کھلبلی اور بے کلی محسوس نہیں کی تھی۔

تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد میں نے بالوں میں کنگھی کی۔ اپنے کوٹ کو برش سے صاف کیا اور چائے پینے کے لئے نیچے گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے اب اُس لڑکی کی تصویر ہر وقت گھوم رہی تھی اور اب اگرچہ میرا دل دھڑک نہیں رہا تھا لیکن مجھے اس بات کا ضرور شعور تھا کہ میرے دل میں کوئی چیز کھٹک رہی ہے۔

"کیوں کیا ہوا؟" میرے ابا نے مجھ سے دفعتاً سوال کیا "کیوں کوئی کوا مارا؟"

میں ابا کو سب کچھ بتا دینا چاہتا تھا لیکن میں ایسا کرنے سے باز رہا اور صرف مسکرا دیا۔ رات کو بستر پر دراز ہونے سے پہلے میں ایڑیوں کے بل دو چار مرتبہ یوں ہی گھوم گیا۔ میں نے اپنے بالوں میں چیلیکی ویسلین لگائی اور پھر بستر پر گرتے ہی گہری نیند سو گیا۔ صبح کے وقت میں ایک لمحہ کے لئے اٹھا۔ میں نے تکیہ پر سے اپنا سر اٹھایا چاروں طرف ایک مسرور نگاہ دوڑائی اور پھر سو گیا۔

۳

"اُن سے جان پہچان ہو تو کیسے ہو؟" بیدار ہوتے ہی

www.taemeernews.com

سب سے پہلے مجھے یہی خیال آیا۔ ناشتہ سے پہلے میں باغ میں گیا لیکن باڑھ کے بہت قریب جانے کا حوصلہ نہ ہوا اور مجھے کوئی دکھائی بھی نہ دیا۔ ناشتہ کے بعد میں ان کے گھر کے سامنے کی گلی میں چکر لگاتا رہا اور دور سے اُن کے گھر کی کھڑکیوں کی طرف دیکھتا رہا۔ ایک دفعہ تو مجھے یہ خیال آیا کہ میں نے پردے کے پیچھے اس کا چہرہ دیکھا ہے اور پھر میں فوراً پیچھے مُڑ آیا۔

"مجھے اس سے ضرور واقفیت پیدا کرنی چاہیئے۔" میں رتیلی زمین پہ چہل قدمی کرتا ہوا سوچتا رہا۔ "لیکن جان پہچان ہو تو کیسے ہو؟ یہی تو ایک ٹیڑھا سوال ہے۔" میں نے کل کے حادثہ کی ذرا ذرا سی تفصیل پہ غور کیا لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ اس کے ہنستے ہوئے چہرے کی تصویر میرے ذہن میں رہ گئی تھی۔ جب میں واقفیت نکالنے کی سوچ رہا تھا اور منصوبے باندھ رہا تھا اس وقت میری تقدیر میرے لئے مصروفِ کار ہو چکی تھی۔

جب میں گھر سے باہر تھا تو میری اماں کو اپنے پڑوسیوں کے یہاں سے ایک خط موصول ہوا جسے بھورے رنگ کے کاغذ پہ لکھا گیا تھا اور گہرے رنگ کی چٹ الاکھ سے اس پہ مہر لگی ہوئی تھی جو عام طور پہ ڈاک خانہ کے کاغذات پہ لگی رہتی ہے یا سستی شراب کی بوتلوں کے مُنہ پہ۔ اس خط میں جو نہایت بدخطی کے ساتھ لکھا گیا تھا صرف دو کی بہت سی غلطیاں تھیں امداد اس میں میری والدہ سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لیں اور چونکہ میری والدہ کے بارسوخ لوگوں سے اچھے مراسم تھے اس لئے وہ شہزادی کی طرف سے اُن پہ دباؤ ڈالیں جن پہ شہزادی اور شہزادی کے بچوں کی قسمت کا انحصار تھا۔ شہزادی نے کئی مقدمے دائر کر رکھے تھے۔ اس نے لکھا تھا "میں آپ سے التجا کرتی ہوں جس طرح ایک اچھے گھرانے کی خاتون دوسری خاتون سے کر سکتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ میں یہ موقع پاکر خوش ہوں کہ اس طرح آپ سے راہ و رسم پیدا ہو رہی ہے۔" آخر میں اس نے التجا کی تھی کہ میری والدہ ان کو ملاقات کا موقع دیں گی۔ مجھے پتہ چلا کہ اماں اس وقت بُری کیفیت میں تھیں۔ والد گھر میں نہیں تھے اور کوئی انھیں مشورہ دینے والا نہیں تھا۔ "ایک اچھے گھر کی پروردہ خاتون کے خط کا جواب نہ دینا اور پھر جبکہ وہ خاتون ایک شہزادی ہونا ممکن تھا

www.taemeernews.com

اماں سوچ رہی تھیں کہ اس خط کا جواب فرانسیسی زبان میں لکھنا موزوں نہیں ہوگا مگر اماں روسی زبان کے ہجوں میں طاق نہیں تھیں اور وہ اپنی اس کمزوری کو جانتی بھی تھیں اور اس کمزوری کو ظاہر بھی نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں اس لئے جب میں گھر لوٹا تو وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور فوراً مجھے شہزادی کے یہاں بھیج دیا اور مجھ سے کہا کہ میں شہزادی سے زبانی یہ بات کہوں کہ اماں ان کی خدمت کے لئے تیار ہیں۔ اُن سے جو بن پڑے گا وہ کریں گی اور شہزادی کسی وقت بھی بارہ اور ایک بجے کے درمیان اُن سے ملنے کے لئے آسکتی ہیں۔ میری دلی خواہشات کی اس فوری اور غیر متوقع تکمیل نے جہاں مجھے خوشی عطا کی وہاں مجھے خوفزدہ بھی کیا لیکن جو گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا میں نے اسے ظاہر نہ ہونے دیا اور اپنے کمرے میں لوٹا۔ میں نے نئی ٹائی باندھی۔ میں اس بات پر ناخوش تھا کہ مجھے ان کے یہاں چھوٹے کوٹ اور نیچے مڑے ہوئے کالر کی قمیص پہن کر جانا پڑ رہا تھا۔

۴

میں منسلکہ عمارت کی بھدی اور تنگ ڈیوڑھی میں داخل ہوا تو سرتاپا کانپ رہا تھا۔ سفید بالوں والے ایک قدیم طرز کے ملازم سے میری مڈبھیڑ ہوئی۔ اس کا تانبے جیسا رنگ تھا، افسردہ سا چہرہ تھا، آنکھیں سور کی طرح تھیں، اس کی کنپٹیوں اور ابروؤں پر گھری جھریاں تھیں جنھیں پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک طشتری تھی جس پر نمکین مچھلی کا بچا کھچا حصّہ پڑا تھا اور اس نے مجھ سے نہایت کرخت لہجے میں ٹھوکر سے دروازہ بند کرتے ہوئے پوچھا ــــ "کیا چاہیئے؟"

"کیا شہزادی زاسے کنیا گھر پر ہی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

دروازے کے پیچھے سے ایک آواز آئی "دونی فیٹی!"

www.taemeernews.com

مجھے جواب دیئے بغیر ملازم اُلٹے پاؤں مُڑا اور مجھے اس کے خاص لباس کی پچھاڑی دکھائی دی جس کو خاص بٹنوں سے سجایا گیا تھا جس پر بندوق اور تلوار کھدی ہوئی تھی اور وہ فرش پر پلیٹ رکھ کر کمرے کے اندر چلا گیا۔

"کیا تم پولیس تھانہ گئے تھے؟" اسی کانپتی ہوئی آواز نے سوال کیا۔

ملازم جواب میں کچھ بڑبڑایا۔

"کیا کہا؟" اسی آواز نے پوچھا۔

"آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔ پڑوس کے گھر کا لڑکا"

"اچھا تو اُسے اندر بھیج دو!"

"آپ نشست گاہ میں تشریف لے چلئے" خادم نے فرش سے پلیٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ میں نے اپنی ٹائی کو درست کیا اور نشست گاہ میں داخل ہوا۔

میں ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوا۔ یہ کمرہ اتنا صاف بھی نہیں تھا۔ فرنیچر تو نہایت ہی بھدا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کو جلدی میں یہاں لاکر پٹک دیا گیا تھا اور کھڑکی کے قریب ٹوٹے بازو والی کرسی میں ایک عورت بیٹھی تھی جس کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ ہوگی۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ اس نے سر پہ ٹوپی بھی نہیں پہن رکھی تھی۔ اور ایک پرانا سبز رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ اور گردن کے گرد اس نے ایک اونی شال لپیٹ رکھی تھی۔ اس کی ننھی آنکھیں میرے سراپا پہ جمی ہوئی تھیں۔

میں نے اس کے قریب جا کر راہِ تعظیم اپنا سر جھکایا۔

"کیا مجھے شہزادی زاسے کینیا سے خطاب کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے؟"

"ہاں میں ہی شہزادی زاسے کینیا ہوں کیا تم مسٹر وی .... کے بیٹے ہو؟"

"ہاں مادام۔ میں اپنی والدہ کی طرف سے پیغام لے کر حاضر ہوا ہوں"

"کیا تم بیٹھو گے نہیں؟ دونی فیٹی! میری چابیاں کہاں ہیں! کیا تم نے انھیں کہیں پڑا ہوا دیکھا ہے؟"

میں نے شہزادی زاسے کنیا کو اپنی والدہ کا پیغام دیا۔ وہ کھڑکی کی چوکھٹ پہ

www.taemeernews.com

اپنی موٹی اور سُرخ انگلیاں بجاتی ہوئی میری بات سنتی رہی اور جب میں پیغام دے چکا تو وہ مجھے دوبارہ گھورنے لگی۔

"بہت اچھا میں ضرور آؤں گی۔" آخر کار اس نے کہا۔ "تم بہت نوعمر دکھائی دیتے ہو۔ بھلا کیا عمر ہوگی تمہاری؟"

"سولہ برس!" میں نے بدقت جواب دیا۔

شہزادی نے چکناہٹ سے لتھڑے ہوئے کچھ کاغذات نکالے۔ یہ کاغذات بہت گنجان لکھے ہوئے تھے۔ اور پھر ان کو اپنی آنکھوں کے قریب لے جاکر انھیں پڑھنا شروع کر دیا۔ "یہ بھی کیا عمر ہے۔" اس نے دفعتاً کہا۔ اور وہ اپنی کرسی میں ذرا کسمسائی۔ "تمہیں تکلف سے کام لینے کی ضرورت نہیں۔ ہم بڑے سادہ لوگ ہیں۔"

"نہایت ہی سادہ!" میں نے جی ہی جی میں سوچا اور شہزادی کے بھدے جسم پر حقارت آمیز نگاہ ڈالی۔

اس وقت نشست گاہ کا دروازہ کھلا اور وہ لڑکی جسے کل میں نے دیکھا تھا دروازے میں نمودار ہوئی۔ اس نے اپنا بازو اوپر اٹھایا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ جھلملانے لگی۔

"یہ میری بیٹی ہے ——" شہزادی نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"زینیا یہ ہمارے پڑوسی سٹروی کے بیٹے ہیں۔"

"تمہارا کیا نام ہے؟"

"ولادمیر ——" میں نے اُٹھتے ہوئے جواب دیا اور میں گھبراہٹ کے مارے ہکلا رہا تھا۔

"اور تمہارا آبائی نام؟"

"پیٹروویچ ——"

"خوب۔ مجھے ایک پولیس افسر یاد آگیا جسے میں جانتی تھی۔ اس کا نام بھی ولادمیر پیٹرووچ تھا —— وہ نی فیٹی تمہیں میری چابیاں ڈھونڈنے کی ضرورت

www.taemeernews.com

نہیں ۔ وہ میری جیب میں ہیں ۔"

جوان لڑکی میری طرف دیکھتی رہی اور اس کے ہونٹوں پہ وہی مضحکہ خیز مُسکراہٹ تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں سکیٹر رکھی تھیں اور اس کا سر ایک طرف کو ڈھلکا ہوا تھا۔

" میں مسٹر والڈ ممبر کو پہلے دیکھ چکی ہوں ——" اس نے کہا۔ (اس کی نقرئی آواز سے میری رگوں میں جھرجھری سی پیدا ہوئی) " اگر میں تمہیں تمہارے مسیحی نام سے پکاروں تو تم برا تو نہیں مانو گے ؟ "

" بالکل نہیں ——" میں نے پھر ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

" تم نے ان کو کہاں دیکھا تھا ؟ " شہزادی نے سوال کیا۔ چھوٹی شہزادی نے اپنی والدہ کے سوال کا جواب نہ دیا۔

" اس وقت تمہیں کوئی کام تو نہیں ؟ " چھوٹی شہزادی نے مجھ پر سے اپنی آنکھیں اٹھائے بغیر پوچھا۔

" نہیں ——"

" تو کیا تم اون لپیٹنے میں میری مدد نہ کرو گے ؟ " اور وہ اپنے سر کو جنبش دے کر نشست گاہ سے نکل گئی ۔ میں نے اس کا تعاقب کیا۔

اب ہم جس کمرے میں داخل ہوئے اس کا فرنیچر بھدا نہیں تھا اور اس کو ایک سُتھرے مذاق کے ساتھ ترتیب دیا گیا تھا اور مجھے اس کی ترتیب محض اس لئے خوش وضع نظر نہیں آرہی تھی کہ میں اس وقت مشاہدے کے قابل نہیں تھا بلکہ فرنیچر کی ترتیب میں واقعی ایک حسن تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں خواب میں چل رہا ہوں میرے عضو عضو میں مسرت کی لہر دوڑ رہی تھی۔ چھوٹی شہزادی بیٹھ گئی اور اس نے اُون کا ایک لچھا نکالا۔ یہ سُرخ رنگ کی اُون تھی اور اس نے اپنے مقابل کی کرسی کی طرف اشارہ کیا اور پھر اون کو میرے آگے بڑھے ہوئے ہاتھ پر بڑی احتیاط کے ساتھ لپیٹ دیا۔ یہ سب کچھ خاموشی کے ساتھ ہوتا رہا اور اس کے ہونٹوں پہ ابھی تک

www.taemeernews.com

مضحکہ خیز، نرم و نازک تبسم تھا اور اس تبسم کی وجہ سے اس کے ہونٹوں میں ایک نہایت دلآویز خم پیدا ہوگیا تھا۔ اس نے آدن کو دو حصوں میں بٹے ہوئے گتے پر لپیٹنا شروع کر دیا اور پھر دفعتاً ایک نہایت ہی تیز نگاہ میری طرف کچھ اس انداز سے ڈالی کہ میں نے غیر ارادی طور پر اپنی نگاہیں جھکالیں۔ جب اس کی آنکھیں سکڑ کر دوبارہ طور پر کھلتیں تو اس کے خدو خال پر ایک روشنی سی پھیل جاتی اور اس کا چہرہ بالکل بدل جاتا۔

"مسٹر ولادمیر نہ جانے تم کل میرے بارے میں کیا سوچتے رہے ہوگے؟" اس نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا "مجھے ایسا جان پڑتا ہے کہ تم نے مجھے بہت ناپسند کیا ہوگا۔"

"میں ۔ ۔ ۔ ۔ نہیں شہزادی ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے تو خیال تک نہیں کیا۔ میں یہ کیسے سوچ سکتا تھا؟" میں نے گھبراہٹ میں جواب دیا۔

"سنو ـــــ" وہ بولی "تم مجھے جانتے نہیں ہو۔ میں ایک عجیب لڑکی ہوں۔ میں ہر شخص سے یہ امید رکھتی ہوں کہ وہ مجھ سے سچ بولے۔ میں تمہیں یہ کہتے ہوئے سن چکی ہوں کہ تمہاری عمر سولہ برس کی ہے۔ میں ۲۱ برس کی ہوں۔ دیکھو میں عمر میں تم سے کتنی بڑی ہوں اس لئے تم مجھ سے ہمیشہ سچ بولا کرو۔ اور میرا حکم مانا کرو۔" پھر اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "میری طرف دیکھو۔ تم میری طرف دیکھ کیوں نہیں رہے ہو"

میری گھبراہٹ بڑھ گئی تھی۔ آخر کار میں نے اپنی آنکھیں اس کی طرف اٹھائیں وہ مسکرائی۔ لیکن یہ تبسم اس کے پہلے تبسم کی طرح نہیں تھا۔ اس دفعہ یہ تبسم اس کی پسندیدگی کا اظہار تھا۔

"ہاں۔ میری طرف اچھی طرح دیکھو" اس نے اپنی آواز کو دھیمی کرتے ہوئے کہا "مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ مجھے تمہاری صورت پسند ہے۔ مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے دوست بننے والے ہیں۔ کیا میں تمہیں پسند ہوں؟" اس نے پوچھا۔

"شہزادی ۔ ۔ ۔ ۔" میں نے آغاز کیا۔

"یاد رکھو۔ سب سے پہلے تو تمہیں مجھ کو زینیدا الیگزینڈروفنا کہہ کر بلانا ہوگا اور

www.taemeernews.com

دوسرے یہ کہ میں اس بات کو برداشت نہیں کر سکتی کہ بچے نہیں نوجوان" اس نے فوراً اپنی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "وہ بات نہ کہیں جو وہ کہنا چاہتے ہیں۔ ان باتوں کو بڑوں کے لیے چھوڑ دو۔ تم مجھے پسند کرتے ہو نا؟"

اگرچہ اس کی صاف گوئی پر میں خوش ہو رہا تھا لیکن مجھ سے ناراض ہوئے بغیر بھی رہا نہیں جاتا تھا۔ اس کو یہ جتانے کی فکر میں کہ اس کا واسطہ ایک لڑکے سے نہیں پڑا تھا۔ میں نے شناسائی کا رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "تم زینیدا الیگزینڈرونا مجھے بہت پسند ہو اور میں حقیقت کو چھپانے کی ذرا سی بھی خواہش نہیں رکھتا۔"

اس نے میری طرف دیکھ کر اپنے سر کو جنبش دی۔

"کیا تمہارا کوئی استاد بھی ہے؟" اس نے دفعتاً سوال کیا۔

"نہیں ڈیر، میرا کوئی استاد نہیں ہے۔" میں جھوٹ بول رہا تھا کیونکہ مجھے اپنے فرانسیسی استاد سے جدا ہوئے ابھی ایک ہی مہینہ گزرا تھا۔

"اوہ میں سمجھی تم کافی جوان ہو چکے ہو۔"

پھر اس نے میری انگلیوں پر تھپکی دی اور بولی۔ "اون ذرا سیدھی طرح پکڑے رکھو" اور پھر وہ نہایت تیزی کے ساتھ اون ادھیڑنے لگی۔

اس بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہ وہ نیچے کی طرف دیکھ رہی تھی میں نے اس کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ پہلے ذرا جھجکتے ہوئے اور پھر دلیری کے ساتھ۔ مجھے اس کا چہرہ کل سے زیادہ دلفریب نظر آیا۔ اس کے خد و خال کتنے نازک، ذہین اور پیارے تھے۔ وہ کھڑکی کی طرف اپنی پیٹھ موڑ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ کھڑکی پر سفید پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ پردہ اس کے سنہری اور گھنگریالے بالوں کے اوپر لہرا رہا تھا۔ سورج کی ایک کرن جو پردے سے گزر آئی تھی اس کے بالوں پر چمک رہی تھی۔ اس کی گردن پر، اس کے جھکے شانوں پر، اس کے نرم و نازک اور پرسکون سینے پر کھیل رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ میرے کس قدر نزدیک آگئی تھی۔ جیسے میری اس سے ایک مدت سے جان پہچان ہو۔ جیسے اس سے ملنے سے پہلے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔

www.taemeernews.com

جیسے میں نے زندگی بسر ہی نہیں کی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ اس نے ایک گہرے رنگ کا گھسا ہوا لباس پہن رکھا تھا اور اس کے لباس کے اوپر انگرکھا تھا۔ اس کے لباس کے نیچے اس کی جوتی کی ایڑی جھانک رہی تھی۔ میں فرطِ پرستش سے اس کی جوتیوں پر سجدہ کرنے کو تیار تھا ۔ ۔ ۔ میں سوچ رہا تھا "میں اس کے روبرو بیٹھا ہوں۔ میری اس سے جان پہچان ہوگئی ہے ——— اوہ میرے خدا! میں کس قدر خوش قسمت ہوں!" میں فرطِ مستی سے قریب قریب اپنی کرسی پر سے اچھل پڑا لیکن جلد ہی عین وقت پر سنبھل گیا اور اپنی ٹانگوں کو ہلانے لگا اس بچے کی طرح جسے کوئی نہایت اچھی چیز کھانے کے لئے دے دی گئی ہو۔

میں پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی کی طرح خوش تھا اور میں دعا مانگ رہا تھا کہ کاش میں اس کمرے میں ہمیشہ کے لئے رہ سکوں۔

اس کی نیچے جھکی ہوئی پلکیں اوپر اٹھیں اور ایک دفعہ پھر اس کی تابناک آنکھوں نے مجھ پر شفقت کی روشنی پھیلا دی اور وہ ایک دفعہ پھر مسکرائی۔

"تم میری طرف کس طرح دیکھ رہے ہو" اس نے اپنی انگلی کو میری طرف جنبش دیتے ہوئے کہا۔

میں شرم کے مارے سرخ ہوگیا۔ میرے ذہن میں فوراً یہ خیال کوند گیا "وہ ہر بات کو سمجھتی ہے۔ وہ ہر بات کو دیکھ رہی ہے۔ اور وہ ہر بات کو سمجھے اور دیکھے بغیر رہ بھی کیونکر سکتی ہے!"

دوسرے کمرے سے دفعتاً آواز آئی۔ یہ آواز تلوار کے کھٹکنے کی تھی۔

"زینا! بیلووزروف تمہارے لئے بلی کا بچہ لایا ہے" نشست گاہ سے شہزادی نے آواز دی۔

"بلی کا بچہ!" زنیدا نے کہا اور وہ اپنی کرسی پر سے اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے اون کا گولا میری گود میں پھینک دیا اور ساتھ کے کمرے میں دوڑ گئی۔ میں بھی اٹھا اور اون کے لچھے کو کھڑکی میں رکھ کر نشست گاہ میں داخل ہوا اور حیرت زدہ ہو کر

www.taemeernews.com

بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ کمرے کے وسط میں اپنے چاروں پنجے پھیلائے ہوئے فرش پہ بلی کا بچہ لیٹا ہوا تھا اور زبیدا اس پہ جھکی ہوئی تھی اور بڑی آہستگی کے ساتھ اس کے سر کو سہلا رہی تھی۔ بوڑھی شہزادی کے پاس ایک خوبصورت گھوڑ سوار کھڑا تھا۔ اس کے بال گھنگریالے تھے۔ بھرا ہوا چہرہ تھا اور آنکھیں بہت موٹی تھیں کتنی پیاری چیز ہے" زبیدا پیار سے کہہ رہی تھی "مگر اس کی آنکھیں بھوری نہیں ہیں سبز ہیں اور کان تو دیکھو کتنے بڑے ہیں۔ دکٹریا گروو چ تمہارا بہت بہت شکریہ۔ تم بہت پیارے آدمی ہو!"

یہ گھوڑ سوار مجھے یاد آیا۔ کل کے اُن نوجوانوں میں سے ایک تھا۔ وہ مسکرایا اور اس نے اپنا سر جھکایا اور پھر وہ اپنے بوٹوں کو ملا کر سیدھا کھڑا ہو گیا جیسے سلامی دے رہا ہو۔ ایسا کرتے ہوئے اس کی تلوار ایک دفعہ پھر کھنک اٹھی۔

"تم بلی کا چتلا بچہ چاہتی تھیں۔ اس لئے میں لایا ہوں۔ تمہارا تو ہر لفظ ایک قانون ہے!" زبیدا بولی "وونی فیٹی۔ سوفیا۔ تھوڑا سا دودھ لاؤ"

پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس خادمہ جس نے دھندلے سے رنگ کا رومال سر پر اوڑھ رکھا تھا پیالی میں دودھ لے کر آئی۔ اس نے یہ پیالی بلی کے بچے کے سامنے رکھ دی۔ بلی کا بچہ چونکا اور اپنی آنکھیں سیکڑ کر اور زبان کو لپلپاتے ہوئے دودھ پینے لگا۔

"اس کی زبان کتنی گلابی ہے!" زبیدا نے اپنا سر فرش تک جھکاتے ہوئے اور بلی کے بچے کی ٹھوڑی کے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔

بلی کے بچے نے پیٹ بھر کے دودھ پیا اور پھر خرخرانے لگا۔ وہ اپنے اگلے پنجوں کو اٹھاتا اور پھر زمین پر رکھ دیتا "جاؤ اسے لے جاؤ!" زبیدا نے لاپروائی کے ساتھ اپنی خادمہ سے کہا۔

"اس بلی کے بچے کے لئے۔ تمہارا ہاتھ ——" گھوڑ سوار نے اپنی تنگ وردی میں اپنے بدن کو کسمساتے ہوئے کہا۔

"یہ رہے دونوں ہاتھ!" زبیدا نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ اُس نے

www.taemeernews.com

ان پر بوسہ دیا اور زنیدا اس کے کندھوں پر سے میری طرف دیکھنے لگی میں اس وقت بے حس و حرکت کھڑا تھا اور یہ فیصلہ نہیں کر پا یا تھا کہ ہنسوں یا کوئی خیال آرائی کروں یا چپ رہوں۔ دفعتاً کھلے دروازے میں سے میں نے اپنے دربان کو آتے ہوئے دیکھا جو مجھے اشارہ کر رہا تھا۔ میں اس کی طرف بڑھا "کیوں کیا ہے؟"

"آپ کی اماں نے مجھے بھیجا ہے کہ میں تمہیں گھر لے آؤں" اس نے سرگوشی کی "آپ کی اماں بہت خفا ہیں کہ آپ جواب لے کر جلد نہیں لوٹے"

"کیوں مجھے یہاں آئے ہوئے کتنی دیر ہو گئی ہے؟"

"ایک گھنٹہ ہو چکا ہے"

"ایک گھنٹہ ہو چکا ہے" میں نے غیر ارادی طور پر جملہ دہرایا۔ اور نشست گاہ میں جا کر میں نے اپنی ٹانگیں جوڑ کر اور سر جھکا کر رخصت طلب کی۔

"کہاں جا رہے ہو؟" چھوٹی شہزادی نے پوچھا اور گھوڑ سوار کے کندھے پر سے میری طرف نگاہ کا تیر چھوڑا۔

"مجھے گھر جانا ہے۔ تاکہ میں اپنی اماں کو اطلاع دے سکوں" اور پھر میں نے بوڑھی شہزادی کی طرف مڑتے ہوئے کہا "آپ ایک بجے کے بعد آئیں گی"

"ہاں جناب اُن سے یہی کہیے گا"

بوڑھی شہزادی نے ناس کی ڈبیہ نکالی اور اتنی بلند آواز کے ساتھ ناک میں سفوف چڑھایا کہ میں چونک پڑا "ہاں اُن سے یہ کہیے گا" بوڑھی شہزادی نے چھینکتے ہوئے کہا۔

میں دوبارہ سر جھکا کر آداب بجا لایا اور پھر الٹے پاؤں کے بل مڑ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ میری پیٹھ پر گدگدی سی ہو رہی تھی اُس نوجوان کی طرح جسے معلوم ہو کہ اس کی پیٹھ کے پیچھے کوئی اُسے دیکھ رہا ہے۔

"یاد رکھنا۔ ہم سے ملنے کے لئے پھر کبھی ضرور آنا سڑولا دمیر" زنیدا چلائی اور زور سے ہنسی۔

www.taemeernews.com

"وہ اتنا ہنستی کیوں ہے؟" میں نے گھر لوٹتے ہوئے سوچا۔ دربان ساتھ تھا۔ اگرچہ اس نے مجھ سے کہا کچھ نہیں تھا لیکن اس کی صورت سے اس کی ناپسندیدگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ میرے اماں نے مجھے آڑے ہاتھوں لیا اور حیران ہوئیں کہ میں اتنی دیر تک بوڑھی شہزادی کے یہاں کیا کرتا رہا تھا۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے کمرے میں چلا آیا۔ دفعتاً میں بہت اداس ہو گیا۔ میں صرف اپنی طبیعت پر زور دیکر اپنے کو رونے سے روکتا رہا میں گھوڑ سوار سے حسد کر رہا تھا۔

۵

شہزادی نے اپنی بات رکھی اور وہ ایک بجے میری اماں سے ملنے کے لئے آئی۔ مگر میری اماں کی نظروں پر وہ چڑھ نہ سکی۔ اس ملاقات کے وقت میں موجود نہیں تھا لیکن میں نے اپنی اماں کو ابا سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ شہزادی زاسے کینا ایک بدقماش اور آوارہ عورت دکھائی دیتی ہے کیونکہ اس نے بار بار التجا کی تھی کہ میں شہزادہ سرگے سے ملنے جاؤں کیونکہ اس نے ڈھیر سے مقدمے دائر کر رکھے ہیں اور اس کے تمام امور پر فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ یہ عورت بڑی لڑاکا عورت معلوم ہوتی ہے۔ اور پھر میری اماں نے بتایا کہ اس نے بوڑھی اور نوعمر شہزادی کو اگلے روز کھانے پر بلایا ہے (جب میں نے نوعمر شہزادی کا نام سنا تو میں اپنی پلیٹ پر جھک گیا) آخر وہ ہمارے پڑوسی ہیں اور پھر شہزادوں کا خاندان ہے۔ ان سب باتوں کے جواب میں ابا نے اتنا کہا کہ انھیں اب یاد آ رہا ہے کہ یہ خاتون کون ہے۔ وہ اپنی جوانی میں شہزادہ زاسے کینا کو جانتے تھے۔ ایک اچھے کنبے میں پلا ہوا لیکن ایک غیر اہم اور احمق شخص تھا۔ سماج میں اس

www.taemeernews.com

کی یہی حیثیت تھی۔ پیرس کی سی زندگی کا دلدادہ تھا کیونکہ وہ ایک لمبی مدت تک پیرس میں رہا تھا۔ وہ کبھی بہت دولت مند تھا مگر اس نے اپنی دولت سے جوا کھیلا اور پھر نہ جانے کیوں شاید روپے کے لئے اس نے ایک پچھلے درجہ کے افسر کی بیٹی سے شادی کر لی۔ یہاں پہنچ کر والد بڑی سرد مہری سے مسکرائے اور اس کے بعد پھر سٹہ کھیلا اور آخر کار اپنے آپ کو تباہ کر لیا۔

"کہیں وہ روپیہ قرض لینے کی کوشش تو نہیں کر رہی ؟" میری والدہ نے اظہار خیال کیا۔

"مجھے حیرت نہیں ہوگی اگر وہ ایسا کرے گی" میرے والد نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا "کیا وہ فرانسیسی زبان بول لیتی ہے ؟"

"نہایت بُری طرح"

"لیکن اس سے کیا ہوتا ہے ؟ تم نے ابھی کہا تھا کہ تم نے اسے اور اس کی بیٹی کو دعوت دی ہے۔ کسی نے مجھ سے یہ کہا ہے کہ اس کی بیٹی ایک بہت پڑھی لکھی اور نہایت اچھی لڑکی ہے"

"اگر وہ ایسی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی ماں پر نہیں گئی"

"اپنے باپ پر بھی نہیں۔" والدہ نے حمایہ کسا "اگرچہ وہ ایک تعلیم یافتہ شخص تھا مگر بڑے درجے کا احمق بھی تھا"

میری والدہ نے ایک سرد آہ بھری اور خیالات میں غرق ہوگئی۔ میرے والد نے اس کے سوا کچھ نہ کہا۔ میں اس گفتگو کے دوران بڑی بے کلی محسوس کرتا رہا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد میں باغ میں نکل گیا اور اب کے اپنے ساتھ اپنی بندوق نہ لے گیا۔ میں نے قسم کھا رکھی تھی کہ "میں زاسے کینا کے باغ" کے نزدیک نہیں جاؤں گا لیکن کوئی ناقابل مزاحمت قوت مجھے اس طرف لے گئی اور میرا ادھر جانا بیکار نہیں گیا۔ میں بمشکل باڑھ کے قریب پہنچا ہوں گا کہ میں نے زنیدا کو دیکھا۔ اس دفعہ وہ تنہا تھی۔ اس کے ہاتھ میں کتاب تھی اور وہ روش پر ٹہل رہی تھی۔ اس نے مجھے نہ دیکھا

www.taemeernews.com

میں نے اسے اپنے قریب سے گذر جانے دیا۔ اور پھر میں کھانسا۔ رُکے بغیر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور اپنی تنکوں کی ٹوپی کے نیلے فیتے کو اپنے ایک ہاتھ سے پرے ہٹایا۔ کتاب کے ورق پر نگاہ ڈالنے سے پہلے اس نے میری طرف مسکرا کے دیکھا۔ میں نے اپنے سر پہ سے ٹوپی اتار لی اور کچھ دیر تک وہیں ٹہلتا رہا۔ اُس وقت میرا دل بھر آیا تھا۔ نہ جانے کیوں۔ یک بیک مجھے اپنے عقب میں شناسا قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ میرے والد پھرتی کے ساتھ میری طرف آ رہے تھے۔

"کیا یہی وہ شہزادی کی بیٹی ہے؟"

"ہاں"

"تو تم اُسے جانتے ہو؟"

"میں نے اُسے آج ہی صبح کو دیکھا ہے"

میرے والد رُک گئے اور پھر اُلٹے پاؤں لوٹ گئے۔ جب وہ زنیدا کے قریب پہنچے تو انھوں نے جُھک کر سلام کیا۔ اس نے بھی سلام کا جواب دیا مگر اس کے چہرے پہ حیرت و استعجاب کے آثار تھے۔ اس نے اپنی کتاب نیچے جھکا لی تھی۔ میرے والد نہایت اچھا لباس پہنے رہتے تھے۔ لباس اگرچہ سادہ تھا مگر وہ اسے پہنتے بڑی نفاست کے ساتھ تھے۔ لیکن آج تو ان کا جسم بڑا ہی دلفریب دکھائی دے رہا تھا اور اُن کے سر پہ بھورے رنگ کی ٹوپی بڑی زیب دے رہی تھی۔

میں نے زنیدا کی طرف چند قدم اٹھائے مگر اس نے میری طرف دیکھنے کی پروا نہ کی اور کتاب کو اپنی آنکھوں کے قریب لا کر وہ دُور چلی گئی۔

۶

میں نے وہ ساری شام اور دوسرا دن انتہائی کرب و اضطراب میں بسر کیا۔ میں نے کام کرنے کی کوشش کی اور کیدنف کی تاریخ اٹھائی، مگر

www.taemeernews.com

ایک حرف نہ پڑھ سکا۔ میرے سامنے نصاب میں درج ہر عہد کی تاریخیں ناچتی رہیں میں نے کوئی دس مرتبہ یہ جملہ پڑھا" جولیس سیزر جنگ میں اپنی شجاعت کے لئے بہت مشہور تھا" اور پھر یہ دیکھ کر کہ مجھے کسی بات کا بھی مطلب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا میں نے آخرکار کتاب رکھ دی۔ رات کے کھانے سے پہلے میں نے بالوں میں خوشبودار تیل لگایا اور اپنا سوٹ پہنا اور ٹائی باندھی۔

"یہ کیا پہن لیا؟" میری والدہ نے مجھ سے پوچھا: "تم تو ابھی طالب علم بھی نہیں ہو اور کون جانے تم امتحان میں پاس بھی ہو گے کہ نہیں؟ اس کے علاوہ تمہارا کوٹ بالکل نیا ہے۔ کیا اسے پھینک دیا جائے؟"

"آج ہمارے گھر مہمان جو آ رہے ہیں" میں نے سرگوشی کی۔

"حماقت ہے ـــــ ایسے مہمان تو آتے ہی رہتے ہیں"

اب میرے لئے اپنا سوٹ بدلنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ میں نے سوٹ اتار کر کوٹ پہن لیا ٹکٹائی لگی رہنے دی۔ شہزادی اور زنیدا کھانے سے آدھ گھنٹہ پہلے آئیں۔ بوڑھی عورت نے سبز رنگ کے لباس پر زرد شال اوڑھ لیا تھا۔ یہ لباس میں دیکھ چکا تھا۔ اس نے فیتوں والی چھجے دار پرانے فیشن کی ٹوپی بھی پہن رکھی تھی۔ آتے ہی اس نے اپنے پرامیسری نوٹ کی بات شروع کر دی اور سرد آہ بھر کے اپنے افلاس کا ذکر کیا اور شرمائے بغیر کرسی پر بیٹھ گئی۔ ناک میں ناس چڑھائی اور بڑی بے تکلفی کے ساتھ کرسی میں ہل جل کر کرسی کی پیٹھ کے ساتھ ٹیک لگا دی۔ یہ خیال اس کے ذہن میں گذرا ہی نہیں تھا کہ وہ شہزادی تھی۔ دوسری طرف زنیدا سرتاپا شہزادی تھی۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی کے آثار تھے۔ میں اسے پہچان نہ سکا۔ اس کی نگاہ اور مسکراہٹ بھی تبدیل ہو گئی تھی اور اس روپ میں بھی وہ میری نگاہوں میں خوبصورت تھی۔ اس نے ریشمی لباس پہن رکھا تھا جس پر ہلکے نیلے رنگ کے بیل بوٹے تھے۔ اس کے بال لچھوں کی صورت میں اس کے دونوں شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے انگریزی طرز

www.taemeernews.com

کے بال بنا رکھے تھے اور بالوں کی یہ طرز اس کے سنجیدہ چہرے کے لئے بہت موزوں تھی۔ کھانے کے دوران میرے والد اس کے پہلو میں بیٹھے اور اسے اپنی شائستہ گفتگو سے بہلاتے رہے۔ بار بار میرے والد اس کے چہرے کی طرف دیکھتے اور پھر بار بار وہ میرے والد کی طرف دیکھتی اور اس کی نگاہوں میں عناد کی جھلک تھی۔ وہ دونوں فرانسیسی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ زبیدا کا تلفظ نہایت ہی پاکیزہ تھا۔ بوڑھی شہزادی کھانے کی میز پر بڑی آزادی کے ساتھ باتیں کر رہی تھی اور بڑی مطمئن تھی۔ خوب کھا رہی تھی اور ہر کھانے کی تعریف کر رہی تھی۔ اماں کو اس کی باتیں بیزار کر رہی تھیں اور وہ اس کی ہر بات کا بڑی افسردگی کے ساتھ جواب دے رہی تھیں۔

میرے والد کبھی کبھی ان دونوں پر چھپتی ہوئی نگاہ کر لیتے تھے۔ میری والدہ زبیدا کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہی تھیں۔ دوسرے دن والدہ نے زبیدا کے بارے میں رائے دی "کل کی چھوکری ہے مگر کس قدر مغرور ہے۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ اسے گھمنڈ کس بات پر ہے"

"تم نے شاید ایک حسین لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی" میرے والد نے اپنی رائے دی۔

"خدا کا شکر ہے کہ میں اس نعمت سے محروم رہی ہوں" اماں نے جواب دیا۔

"خدا کا شکر تو ضرور ہے مگر تمہیں ان کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کرنے کا کیا حق ہے" والد نے کرخت لہجے میں کہا۔

کھانے کی دعوت پر زبیدا مجھے ذرہ بھر خاطر میں نہ لائی۔ کھانے کے فوراً بعد بوڑھی شہزادی نے فوراً رخصت چاہی "تو پھر میں آپ کی امداد پر بھروسہ کر سکتی ہوں؟" اس نے مترنم آواز میں میرے والدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "خود ہی دیکھ لو میں نے اچھے دن دیکھے ہیں۔ لیکن اب وہ دن ہوا ہو چکے ہیں۔ اور اب میں کیا رہ گئی ہوں صرف ایک معزز خاتون ——— کھانے کو نہ ہو تو پھر عزت کا مطلب ہی کیا ہوتا ہے"

میرے والد نے سر جھکا کر بوڑھی شہزادی کی تعظیم کی اور کمرے کے باہر تک انہیں چھوڑنے کے لئے گئے۔ میں اپنی جاکٹ میں فرش کی طرف دیکھتے ہوئے وہیں کھڑا رہا

www.taemeernews.com

جیسے مجھے موت کا حکم سُنا دیا گیا ہو۔ زنیدا کے برتاؤ نے میرے ٹکڑے اُڑا دیئے تھے ذرا میری حیرت کا اندازہ تو کیجیے کہ میرے پاس سے گذرتے ہوئے اس نے اپنی آنکھوں میں وہی شفقت بھری چمک لاتے ہوئے سرگوشی کی "آج رات کو آٹھ بجے آنا۔ یاد رکھنا ضرور آنا" میں صرف حیرت میں اپنے بندھے ہوئے بازو ہی کھول سکا لیکن وہ جا چکی تھی اور اس نے اپنے سر پہ شال ڈال لیا تھا۔

۷

ٹھیک آٹھ بجے سوٹ پہنکر اور بالوں میں کنگھی کرکے اور انھیں آگے کی طرف سے ذرا اوپر اٹھا کے میں منسلکہ عمارت میں جہاں بوڑھی شہزادی رہتی تھی جا پہنچا۔ بوڑھا ملازم میری طرف افسردہ نگاہ ڈال کر جھکتے ہوئے بنچ سے اٹھا۔ نشست گاہ سے مسرور آوازیں آرہی تھیں۔ میں نے دروازہ کھولا اور ایک قدم فرطِ حیرت سے پیچھے ہٹ گیا۔ کمرے کے عین وسط میں چھوٹی شہزادی ایک مرد کی ٹوپی اپنے ہاتھوں میں لیئے کھڑی تھی اور پانچ مرد کرسی کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھے تھے۔ ہر شخص اس ٹوپی میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ ٹوپی کو ان کے ہاتھوں کی پہنچ سے دور لے جا رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ چلائی "ذرا ٹھہرو۔ ایک نیا مہمان آیا ہے۔ اسے بھی ایک ٹکٹ ملنا چاہیئے" اور کرسی پہ سے اچھلتے ہوئے اور مجھے میرے کوٹ کی آستین سے پکڑتے ہوئے اس نے کہا۔ "ادھر آؤ۔ وہیں نہ کھڑے رہو۔ حضرات میں ان سے آپکا تعارف کراؤں۔ یہ مسٹر ولادمیر ہیں۔ ہمارے پڑوسی کے بیٹے۔ اور یہ ــــ"

www.taemeernews.com

اس نے میری طرف مڑ کر ہر شخص کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ کاؤنٹ ملاوسکی ہیں۔ یہ ڈاکٹر لوشن ہیں۔ یہ شاعر سیدنف ہیں۔ اور ان سے تم پہلے ہی مل چکے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم ایک دوسرے کے دوست بننے کی کوشش کرو گے۔"

میں اتنا گھبرا گیا تھا کہ از راہ تعظیم اپنا سر جھکانا بھی بھول گیا۔ ڈاکٹر لوشن کے بشرے سے میں نے پہچانا کہ یہ وہی شخص تھا جس نے باغ میں میرا سخت مذاق اڑایا تھا اور باقی اشخاص میرے لیے اجنبی تھے۔

"کاؤنٹ ——" زنیدا نے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ "مسٹر ولادیمیر کے لئے ایک ٹکٹ لکھ دو۔"

"یہ درست نہیں۔" کاؤنٹ نے اعتراض کیا۔ اس کا لب و لہجہ پولینڈ کے لوگوں کا سا تھا۔ وہ ایک خوبصورت جوان تھا۔ مکلف لباس پہنے ہوئے تھا۔ اور اس کی بھوری آنکھیں بہت دلاویز تھیں۔ اس کی ناک پتلی اور زرد تھی۔ "یہ ہم سے پہلے بازی نہیں کھیلے۔"

"ہاں ہاں یہ ٹھیک نہیں۔" بلافزروف اور ریٹائرڈ کپتان ایک ساتھ بولے۔ ریٹائرڈ کپتان چالیس برس کی عمر کا شخص تھا۔ اس کے چہرے پر چیچک کے بھیانک داغ تھے۔ ٹانگیں مڑی ہوئی تھیں اور وہ فوجی نشانوں والا کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ جس کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔

"انھیں ٹکٹ بنا کر دو۔ زیادہ باتیں نہیں بناؤ۔ میں جو کہتی ہوں کہ انھیں ٹکٹ دو۔" شہزادی نے اپنا حکم دہرایا۔ "میں سازش کو برداشت نہیں کر سکتی۔ مسٹر ولادیمیر کا آج ہمارے ساتھ پہلا دن ہے اس لئے ان کے حق میں قانون کو نرم کیا جا سکتا ہے بڑبڑانا بند کرو۔ اور وہی کرو جو میں کہتی ہوں۔"

کاؤنٹ نے اپنے کندھے جھٹکے لیکن اطاعت میں اپنا سر جھکا لیا۔ سفید انگوٹھیوں والی اپنی انگلیوں میں قلم پکڑ کے اس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا پھاڑا اور اس پر لکھنا شروع کر دیا۔

www.taemeernews.com

"اچھا ہمیں اتنی اجازت تو ملنی چاہیئے کہ میں مسٹر ولادیمیر کو قواعد سمجھا دوں۔"
لوشن نے حقارت آمیز لہجے میں کہا: "اس بچارے کے تو ہوش گم ہیں۔ سنو نوجوان ہم جرمانہ کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ شہزادی کو جرمانہ ہوا ہے اور جو شخص برکت والا ٹکٹ حاصل کرے گا وہ شہزادی کے ہاتھ پہ بوسہ دینے کا حقدار ہوگا!"
میں صرف اس کی طرف گھورتا رہا جیسے مجھ پہ سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ شہزادی ایک دفعہ پھر کرسی پر اچھل کر چڑھ گئی اور ٹوپی ہلانے لگی۔ ہر شخص نے ٹوپی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں بھی اُن میں شامل تھا۔
"میدنف" شہزادی نے ایک لمبے قد کے نوجوان کو آواز دی۔ اس نوجوان کا چہرہ بہت دُبلا تھا۔ آنکھیں چندھی تھیں اور لمبے لمبے کالے بال تھے۔ "شاعر ہونے کی حیثیت سے تمہیں دریادلی کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ تمہیں اپنا ٹکٹ ولادیمیر کو دے دینا چاہیئے تاکہ ان کے پاس دو ٹکٹ ہو جائیں اور انھیں ایک کے بجائے دو موقعے میسر آئیں۔"
لیکن میدنف صرف اپنے سر کو جنبش دے کر رہ گیا۔ اس نے اپنے لمبے بالوں کو پیچھے کی طرف جھٹکا دیا۔ آخر کار میں نے ٹوپی میں ہاتھ ڈال دیا اور ٹکٹ نکالا۔ یہ ٹکٹ میں نے کھول کر دیکھا۔ اس وقت آپ میرے احساسات کا بخوبی اندازہ لگا سکتے تھے جب میں نے دیکھا۔ اس ٹکٹ پر لکھا تھا: "بوسہ!"
"بوسہ ——" میں غیر ارادی طور پر چلایا۔
"شاباش —— فتح مسٹر ولادیمیر کی ہوئی۔" شہزادی بھی چلائی: "میں نہایت خوش ہوں۔" کرسی پر اُتر کر اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور اس کا تبسم اس قدر شیریں اور پُرسکون تھا کہ مجھے اپنے سینے میں اپنا دل پگھلتا ہوا معلوم ہوا۔ "کیا تم خوش نہیں ہو؟"
"میں ——" صرف اتنا ہی کچھ کہہ سکا۔
"مجھے اپنا ٹکٹ بیچ دو۔" بلان زدوف نے اپنے ہونٹ میرے کان کے قریب

www.taemeernews.com

لاکر کہا "میں تمہیں سو روبل دے سکتا ہوں"

میں نے رسالہ کے افسر کی طرف خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔ زنیدا نے تالی بجائی اور لوشن بولا "شاباش!"

"لیکن" لوشن نے مبہم تنبیہ کی حیثیت سے کہا "میں توہین کی کرسی پا بندی احترام کرتا ہوں۔ مسٹر ولادیمیر اپنے ایک گھٹنے پر جھک جانا چاہیئے۔ یہاں یہی رواج ہے"

زنیدا میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا سر ایک طرف ذرا جھک گیا تھا جیسے وہ مجھے پوری طرح دیکھنا چاہتی ہو اور پھر اس نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ میری نگاہیں دھندلا گئیں۔ مجھے صرف ایک گھٹنے کے بل جھکنا چاہیئے تھا مگر میں دونوں گھٹنوں کے بل جھک گیا اور زنیدا کی انگلیوں کو کچھ اس بے ڈھنگے پن سے چوما کہ اس کے ناخن سے میری ناک پر خراش آ گئی۔

"بس کافی ہے" لوشن نے اٹھنے میں میری مدد کرتے ہوئے کہا۔

جرمانہ کا کھیل جاری رہا۔ زنیدا نے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا۔ وہ بڑے عجیب و غریب جرمانے سوچتی۔ ایک دفعہ تو وہ خود پھنس گئی اس سے کہا گیا کہ وہ کوئی مجسمہ پیش کرے اس نے بدصورت نرماسکی کا انتخاب کیا اور اس سے کہا کہ وہ مجسمہ کا پیندا بنے یعنی اسے مجبور کیا گیا کہ وہ منہ کے بل بیٹھ جائے اور اپنے کندھوں میں اپنا سر سکیڑ لے اور وہ خود اس پر ایک مجسمہ بن کر کھڑی ہو گئی۔ ایک لمحہ کے لئے ہنسی بند نہ ہوئی۔ میں چونکہ ایک گمبھیر ماحول میں پلا تھا جو اونچے طبقے کے معزز گھرانوں کا شیوہ ہے اس لئے میں اس شور و غل پر حیران ہو رہا تھا۔ یہ شور و غل، یہ شور آفریں رنگ رلیاں، اجنبیوں کے ساتھ یہ ناقابل اعتنا بے تکلفی میرے سر پر سوار ہو گئی تھی۔ مجھ پر نشہ سا طاری تھا۔ میں زور سے ہنسا اور دوسرے سے زیادہ بلند آواز میں بولنے لگا حتیٰ کہ بوڑھی شہزادی جو کسی افسر کے ساتھ دوسرے کمرے میں باتیں کر رہی تھی۔ ہمارے کمرے میں یہ دیکھنے کیلئے آئی کہ وہاں کیا ہو رہا تھا۔ میں اس قدر خوش تھا کہ میں دوسروں کی کیٹیلی باتوں اور غصیلی نگاہوں کی ذرہ بھر پروا نہیں کر رہا تھا۔ زنیدا بار بار مجھے اپنی نوازش کے لئے چنتی اور مجھے اپنے

www.taemeernews.com

پہلو سے جدا نہ کرتی۔ مجھ پہ بھی جرمانہ ہوا۔ اور جرمانہ یہ تھا کہ میں اور زنیدا ریشمی رومال میں اپنے سر چھپا کر بیٹھیں اور میں اس کو اپنا کوئی راز بتاؤں۔ جب خوشبودار رومال میں ہم دونوں نے اپنا سر چھپایا تو میری کیفیت عجیب و غریب تھی۔ اس دھندلاہٹ میں زنیدا کی آنکھیں موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس کا سانس میرے سینے ہی قریب اور گرم تھا اس کے انفاس تھپکیاں مچا رہے تھے اور اس کے سر کے بال میرے رخساروں کو چھو کر گدگدی پیدا کر رہے تھے۔ میں خاموش تھا اور وہ بڑے رازدارانہ انداز میں مسکرا رہی تھی آخر اس نے سرگوشی کی "تو بتاؤ اپنا راز!" میں شرم کے مارے سُرخ ہوا جا رہا تھا۔ میں نے اپنا منہ موڑ لیا۔ آخرکار ہم جرمانے کے اس کھیل سے اُکتا گئے اور رسّی کے ایک ٹکڑے والے کھیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ اوہ میرے خدا! میں کس قدر مسرور تھا۔

اس رات کو ہم نے کئی کھیل کھیلے۔ پیانو بجایا۔ گیت گائے، ناچے۔ ہم نے اپنے آپ کو خیمہ ڈالے ہوئے خانہ بدوش ظاہر کیا اور ریماسکی کو ریچھ بنایا اور اُسے نمکین پانی پینے پہ مجبور کیا۔ کاؤنٹ مالوسکی نے ہمیں تاش کے کرتب سکھائے اور یہ کرتب اس آخری تماشے پہ ختم ہوئے کہ اس نے اپنے پتے اس طرح بانٹے کہ ترپ کے سارے پتے اس کی طرف گرے۔ لوشن نے کاؤنٹ کو اس پہ مبارکباد دی۔ میدنف نے اپنی نظم "قاتل" میں سے کچھ بند سنائے۔ یہ نظم کتابی صورت میں اس نے شائع کی تھی۔ اس کتاب کی جلد سیاہ رنگ کی تھی اور اس پہ سُرخ رنگ کے حروف تھے۔ ہم نے رسالے کے افسر کی ٹوپی چرالی اور اس سے کہا کہ جب تک وہ قزاقی ناچ نہیں دکھائے گا تب تک وہ ٹوپی اسے واپس نہیں ملے گی۔ بوڑھے خادم دونی فیٹی کے سر پہ عورت کی ٹوپی پہنائی گئی اور زنیدا نے مرد کی ٹوپی پہنی ——— جو کچھ اس رات کو کیا گیا اس کا کلی طور پہ ذکر محال ہے۔ تنہا بلاؤزروف ایک گوشے میں سب سے الگ کھڑا رہا۔ وہ اپنے ابرو سکیڑتا رہا بار بار اس کی آنکھیں سُرخ ہو جاتیں اور شعلے اگلنے لگتیں۔ اس کے خدوخال پہ خشمگیں آثار نمودار ہوتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ وہ ہم سب پہ جھپٹ پڑے گا اور ہمیں چھاجوں کی طرح تتر بتر کر دے گا مگر شہزادی اس کی طرف تیز اپنی انگلی ہلا کر اُسے تنبیہ کرتی اور

www.taemeernews.com

وہ پھر اپنے گوشہ میں چلا جاتا۔ آخر کار ہم تھک گئے۔ بوڑھی شہزادی بھی جو ابھی تک اس کھیل سے لطف اٹھا رہی تھی تھک گئی اور اس نے آرام کی خواہش ظاہر کی۔ گیارہ بجے کے بعد کھانا لایا گیا۔ پرانے خشک پنیر کا ایک ٹکڑہ، سور کا قیمہ کیا ہوا گوشت، مجھے یہ چیزیں گھر کے مکلف کھانے سے بھی زیادہ لذیذ معلوم ہوئیں۔ شراب کی صرف ایک ہی بوتل تھی بڑی عجیب شراب تھی۔ اس کا رنگ بہت گہرا تھا۔ بوتل کی گردن بہت موٹی تھی اور شراب کا ذائقہ ایسا تھا جیسے کوئی تیل والا سرخ رنگ پی رہا ہو۔ کسی نے یہ شراب نہ پی تھکن اور مسرت کے جذبات سے بوجھل میں اس منسلکہ عمارت سے لوٹا۔ زنبدا نے الوداع کہتے ہوئے زور سے میرا ہاتھ بھینچا اور پھر وہ رازدارانہ طور پر مسکرائی۔

میں نے رات کے گرم اور نم آلود سانس کو اپنے رخساروں پر محسوس کیا۔ بادلوں میں بجلی چمک رہی تھی۔ بادل اپنا ڈیل ڈول بڑھا رہے تھے اور آسمان پر رینگ رہے تھے اور ان کی صورتیں مسلسل تبدیل ہو رہی تھیں۔ گہرے سیاہ درختوں کے چھتنارے ہوا کی وجہ سے کانپ رہے تھے اور آسمان کی طرف دور کہیں بجلی کوند رہی تھی اور گرج اپنے سے شکوہ سرا تھی۔ بڑی کھوکھلی آواز پیدا ہو رہی تھی۔

میں عقبی دروازے سے اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ ہمارا خادم فرش پر سویا پڑا تھا اور میں اس پر سے کود کر آگے بڑھا تو وہ بیدار ہو گیا۔ اس نے مجھے دیکھا اور مجھے اطلاع دی کہ میری اماں بہت بگڑ رہی تھیں اور وہ مجھے وہاں سے بلوانا چاہتی تھیں لیکن ابا نے منع کر دیا۔ (آج تک میں اپنی اماں سے الوداع کہے بغیر اور ان کی دعا لئے بغیر اپنے بستر پہ دراز نہیں ہوا تھا)

اپنے خادم سے یہ کہتے ہوئے کہ میں اپنے کپڑے خود اتار لوں گا میں اپنے کمرے میں آکر پلنگ پر دراز ہو گیا۔ میں نے پھونک سے موم بتی بجھا دی لیکن نہ میں نے کپڑے اتارے اور نہ مجھے نیند آئی۔

پلنگ سے اٹھ کر میں کرسی پر جا بیٹھا اور وہاں دیر تک بیٹھا رہا جیسے کسی نے مجھ پہ جادو کر دیا ہو ـــــ ہر بات مجھے میٹھی اور نئی معلوم ہو رہی تھی۔ میں

www.taemeernews.com

بے حس و حرکت بیٹھا رہا اور اپنے گرد و پیش پر نگاہ دوڑاتا رہا۔ لمبے سانس لیتا رہا اور
کچھ نہ کچھ یاد کرتا ہوا ہنستا رہا یا کبھی کبھی برف کی طرح جم جاتا۔ میں نے سوچا کہ میں شاید
محبت میں مبتلا ہوں اور محبت شاید اسی کا نام ہے۔ زینیدا کا چہرہ میری آنکھوں کے
سامنے تیرتا رہا اور ایک لمحہ کے لئے بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوا۔ اس پہ تبسم ہونٹ
بھی رازدارانہ انداز میں مسکرا رہے تھے۔ وہ کنکھیوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔
دلفریب، لطف انگیز، مہربان۔ اور پھر مجھے رخصت کا وقت یاد آیا۔ آخر کار میں تم
پنجوں کے بل دبے پاؤں پلنگ کی طرف بڑھا۔ بڑی احتیاط کے ساتھ اور کپڑے اتارے
بغیر میں نے اپنا سر تکیہ پر رکھ دیا جیسے مجھے اس بات کا خوف تھا کہ جن احساسات
سے میں لبالب تھا وہ کہیں چھلک نہ جائیں۔

میں لیٹ گیا مگر اپنی آنکھیں بند نہ کرسکا۔ جلد ہی میں نے دیکھا کہ بہت ہلکی پتلی روشنی
چوری چھپے میرے کمرے میں داخل ہو رہی تھیں۔ میں بیٹھ گیا اور میں نے کھڑکی کی طرف
دیکھا۔ کھڑکی کی چوکھٹ اس کے شیشوں کی سفیدی کے مقابل بہت نمایاں تھی۔ میں نے
اپنے سے کہا طوفان آ رہا ہے۔ اور باہر واقعی طوفان امڈا ہوا تھا لیکن یہ طوفان
کہیں بہت دور بپا تھا۔ اتنی دور تھا کہ بادل کی گرج میرے کانوں تک نہیں پہنچ
رہی تھی۔ آسمان پر بجلی کے طویل اور دھندلے دھندلے کوندے لپک رہے تھے۔ بجلی
کے یہ تازیانے اتنے چمک نہیں رہے تھے جتنے کہ کپکپا رہے تھے۔ ایک مرتے ہوئے
پرندے کے پروں کی طرح پھڑپھڑا رہے تھے۔ میں پھر پلنگ پر سے اٹھا اور کھڑکی کے
قریب گیا اور صبح ہونے تک وہیں کھڑا رہا۔ ... بجلی کے کوندے ایک لمحہ کے لئے
نہ رکے۔ روس کے دیہی علاقہ کے لوگ اسے "چڑیا کی رات" کہتے ہیں۔ میں بے کراں
رتیلے میدان، نیکوچینی باغ: ... دور افتادہ عمارتوں کے کنگروں کی طرف دیکھتا رہا جو بجلی
کے ہر کوندے کے ساتھ کپکپاتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ میں دیکھتا رہا اور اس
نظارہ سے پرے اپنی آنکھیں نہ ہٹا سکا۔ یہ گونگی برق زنی، یہ بلا ضابطہ تابانی مجھے اپنے
اندر کی گونگی اور رازدارانہ کیفیت کا جواب معلوم ہوئی۔ دن کا آغاز ہو رہا تھا۔ صبح

www.taemeernews.com

صادق کے سُرخ دھبوں میں نمودار ہو رہی تھی۔ سورج کی آمد آمد پر بجلی کے کوندے زرد پڑ گئے اور چھوٹے ہو گئے۔ اب وہ طویل وقفوں کے بعد کپکپاتے۔ آخر کار دن کی پُرسکون اور غیر شاعرانہ روشنی میں غائب ہو گئے۔

میرے اپنے باطن کی تابانی بھی غائب ہو گئی۔ میں بُری طرح تھک گیا تھا اور بدن شل ہو گیا تھا۔ لیکن زنیدا کا تصور میری روح پر منڈلا رہا تھا۔ زنیدا کا یہ عکس اب پُرسکون تھا اس بطخ کی طرح جو سرکنڈوں میں سے اوپر اٹھ رہی ہو۔ یہ عکس اپنے بے کیف ماحول سے الگ ہو گیا اور میں سو گیا اور سونے سے پہلے میں نے اس تصور کو ایک دفعہ پھر سجدہ کیا۔

آہ مطیع جذبو، دھیمی آوازو، انتہائی متاثر روح و دل کی نزاکتو اور متانتو اور پہلی محبت کی تابانیو۔ تم کہاں ہو۔ اس وقت کہاں ہو؟

۸

دوسرے دن صبح کو جب میں چائے کے لئے نیچے آیا تو میری والدہ مجھ پر برس پڑیں۔ لیکن ان کی برہمی میری توقع سے کم تھی اور مجھے مجبور کیا گیا کہ میں کل شام کی روداد سناؤں کہ وہ شام میں نے کیونکر گذاری تھی۔ میں نے اختصار کے ساتھ سارا قصہ سنایا اور کچھ تفصیلات کو چھوڑ گیا اور میں نے حتی الامکان کوشش کی کہ یہ سارا قصہ معصوم دکھائی دے۔

"کچھ بھی ہو وہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔ تمہیں ان کے یہاں جانے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں امتحان کے لئے تیاری کرنا ہے" اماں نے رائے دی۔

یہ جانتے ہوئے کہ اماں کی میری تعلیم کے بارے میں تشویش ان

www.taemeernews.com

انفاظ سے زیادہ آگے نہیں بڑھے گی میں نے زیادہ دلیل آمائی سے کام نہ لیا اور صبح کی چائے کے بعد میرے والد نے مجھے بازو سے پکڑ لیا اور وہ اپنے ہمراہ مجھے باغ میں لے آئے اور انھوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں نے جو کچھ زاسے کنیا کے یہاں دیکھا تھا وہ جوں کا توں کہہ سناؤں۔

میرے والد مجھ پر عجیب و غریب اثر رکھتے تھے اور ہمارا رشتہ واقعی عجیب و غریب تھا۔ وہ میری تعلیم میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے تھے اور کوئی ایسا لفظ بھی نہیں کہتے تھے جس سے میرے دل پر چوٹ لگے۔ وہ میری آزادی کا احترام کرتے تھے اور اگر یہ کہا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ میرے ساتھ سائستگی سے پیش آتے اور کبھی مجھ سے بے تکلف نہیں ہوتے تھے۔ میں انھیں پیار کرتا تھا، ان کی تعریف کرتا تھا اور میں انھیں مردانہ وجاہت اور حسن کا مجسمہ سمجھتا تھا۔ میں نے ان کی پرستش کی ہوتی اگر یہ خیال بیچ میں حائل نہ ہوتا کہ وہ مجھے اپنے سے دور رکھتے ہیں۔ جب بھی وہ چاہتے تو ایک لفظ سے، ایک واحد اشارے سے فوراً مجھ میں بے کراں اعتماد پیدا کر دیتے تھے۔ ایسے لمحوں میں میری روح پھیلنے لگتی اور میں بڑھ چڑھ کر باتیں بنانے لگتا۔ جیسے میں ان کا کوئی ذہین دوست ہوں . . . . اور پھر وہ یک بیک مجھے چھوڑ کر چلے جاتے اور میں محسوس کرتا کہ مجھے دھتکارا گیا ہے۔ بڑی ملائمت اور شائستگی کے ساتھ لیکن دھتکارا ضرور گیا ہے۔ بعض اوقات والد انتہائی شگفتہ موڈ میں ہوتے اور وہ مجھ سے لڑکوں کی طرح (کیونکہ وہ سخت قسم کی جسمانی ورزش کے بہت دلدادہ تھے) کھیلنے لگتے اور ایک مرتبہ تو انھوں نے مجھے پیار سے اتنا چمکارا کہ میں رو پڑا لیکن ان کی شگفتہ مزاجی اور ملائمت کے موڈ اپنے پیچھے کوئی نشان چھوڑے بغیر غائب ہو جاتے اور جو کچھ ہم دونوں کے درمیان گذرتا میں اس پر مستقبل کی کوئی امید استوار نہ کر سکتا یہ سب باتیں ایک خواب معلوم ہوتیں بعض اوقات میں ان کے چالاک، حسین اور ملائم چہرے کی طرف دیکھتا تو میرا دل دھڑکنے لگتا اور میرا سارا وجود ان کی طرف کھنچنے لگتا۔ اور وہ جیسے اس بات کا اندازہ لگا لیتے کہ میرے باطن میں کیا کچھ گذر رہا ہے۔ کبھی کبھی میرے رخسار پر ہلکی سی تھپکی دے دیتے۔ یا تو کمرے سے باہر نکل جاتے یا کسی کام میں مشغول ہو جاتے

www.taemeernews.com

اور وہ برف کی طرح جامد ہو جاتے جیسے انھیں ہی سکڑنا آنا تھا ادھر میں بھی جسم کے اندر سکڑ کے رہ جاتا۔ ان کی میری طرف رغبت میری خاموش دعاؤں کی وجہ سے ظہور میں نہیں آتی تھی۔ ہمیشہ غیر متوقع طور پر نمودار ہوتی تھی۔

بعد کی زندگی میں اپنے والد کے کردار کے بارے میں سوچتے ہوئے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ میرے سوا انھیں اور بھی بہت سے غم تھے۔ ہماری گھریلو زندگی ہی کو لیجئے ان کا دل کہیں اور تھا اور وہ ایک مختلف زندگی سے خوب حظ اٹھاتے تھے۔ انھوں نے ایک دن مجھ سے کہا "جو کچھ بھی تم حاصل کر سکتے ہو کر لو۔ لیکن اپنے آپ کو کسی کے سپرد نہ کرو۔ اپنے آپ کا مالک رہنا ہی زندگی ہے" ایک دفعہ میں نے نوجوان جمہوریت پسند کی حیثیت سے ان کی موجودگی میں آزادی سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا۔ (یہ ان دنوں والد نہایت مسرت انگیز موڈ میں تھے یعنی ایسے موڈ میں جب ان سے پیار کیا جا سکتا تھا) انھوں نے اپنا جملہ دہرایا "آزادی ــــ کیا تم جانتے ہو کہ کون سی وہ واحد چیز ہے جو انسان کو آزادی بخش سکتی ہے؟"

"وہ کیا؟"

"ارادہ ۔ عزم ۔ اس کا اپنا عزم ۔ یہی چیز اسے وہ قوت عطا کر سکتی ہے جو ہر آزادی سے بہتر ہے۔ یہ سیکھو کہ تم کیا چاہتے ہو۔ بس اس وقت تم آزاد ہو گے اور دوسروں پر حکمرانی کر سکو گے۔"

میرے والد کا اولین مقصد جینا تھا اور وہ واقعی ٹھاٹھ سے جئے۔ شاید انھیں یہ احساس تھا کہ انھیں زیادہ دن زندہ نہیں رہنا ہے۔ اس چیز سے جسے ہم زندگی کہتے ہیں زیادہ دن لطف اندوز نہیں ہوتا تھا۔ وہ بیالیس برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔

میں نے اپنے والد کو تفصیل سے یہ روداد سنائی کہ زاسے کینیا کے یہاں کل شام کو کیا ہوا تھا۔ وہ بڑی بے خیالی سے میری باتیں سنتے رہے۔ بنچ پر بیٹھے ہوئے اپنی چھڑی سے تصویریں بناتے رہے۔ وہ ایک دو دفعہ ہنسے کبھی کبھی وہ مجھ سے سوال

www.taemeernews.com

پوچھنے لگتے اور اپنی رائے دینے لگتے۔ پہلے پہل تو مجھ میں یہ ہمت نہ ہوئی کہ میں زنیدا کا نام اپنے لب پر لاؤں لیکن میں اس کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ میرے والد دبے دبے مسکراتے رہے اور پھر کسی گہری سوچ میں ڈوبتے ہوئے انھوں نے انگڑائی لی اور بنچ پر سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

مجھے یاد آیا کہ گھر سے باہر آتے ہوئے انھوں نے حکم دیا تھا کہ ان کے گھوڑے پہ زین ڈال دی جائے۔ وہ ایک نہایت اچھے گھوڑ سوار تھے اور ہر قسم کے تند خو گھوڑے کو راہ پر لے آتے تھے۔

"کیا میں بھی آپ کے ساتھ چلوں، ابا جان؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں" اور اس کے بعد اُن کے چہرے پہ وہی بے نیازی کے آثار نمودار ہو گئے "اگر تم جانا چاہتے ہو تو اکیلے جا سکتے ہو۔ سائیس سے کہہ دو کہ میں آج گھوڑے کی سواری نہیں کروں گا۔"

وہ میری طرف پیٹھ کر کے تیز تیز قدم اٹھاتے چلے گئے۔ میں اپنی آنکھوں سے اُن کا تعاقب کرتا رہا۔ وہ پھاٹک میں سے گذر کر غائب ہو گئے۔ میں نے باڑھ پر سے ان کی ٹوپی کو ہلتے ہوئے دیکھا اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ زاسے کنیا کے گھر میں داخل ہو رہے ہیں۔

وہ ان کے یہاں آدھ گھنٹے سے بھی کم رہے۔ ان کے گھر سے نکل کر وہ سیدھے قصبے کی طرف روانہ ہو گئے اور شام کو گھر لوٹے۔

رات کے کھانے کے بعد میں بھی زاسے کنیا کے یہاں گیا۔ میں نے بوڑھی شہزادی کو نشست گاہ میں تنہا پایا۔ اس نے جب مجھے دیکھا تو اپنی ٹوپی کے نیچے اپنے سر کو کاڑھنے کی سلائی سے کھجانے لگی اور اس نے یک بیک مجھ سے پوچھا کہ کیا میں اس کے لئے کسی درخواست کی نقل کر سکتا ہوں۔

"بڑی مسرت کے ساتھ!" میں نے کرسی کے ایک سرے پر بیٹھے ہوئے کہا۔

"دیکھو ذرا بڑے بڑے حرف لکھنا" شہزادی نے مجھے ایک کاغذ دیا جس پہ بہت کچھ لکھا ہوا تھا "کیا تم آج اسے مکمل کر پاؤ گے؟"

www.taemeernews.com

"ہاں آج ہی۔"

دوسرے کمرے کا دروازہ ذرا سا کھلا اور جھری میں زنیرا کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ کچھ سو رہی تھی اور آج اس نے لاپروائی کے ساتھ اپنے بالوں میں کنگھی کر رکھی تھی۔ اس نے میری طرف اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے دیکھا اور آہستگی کے ساتھ دروازہ بند کر دیا۔

"زنیا۔ سنو زنیا!" اس کی اماں چلائی لیکن زنیا نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں بوڑھی شہزادی کی درخواست گھر لے آیا اور ساری شام اس کی نقل میں مصروف رہا۔

۹

اُس دن "میرے عشق" کا آغاز ہوا۔ میرا خیال ہے کہ میرے احساسات اس مرد کی طرح تھے جو اپنی ملازمت کی زندگی کا آغاز کر رہا ہو۔ اب میں ایک نوعمر لڑکا نہیں تھا۔ عاشق تھا۔ میں نے ابھی ابھی کہا کہ اس دن میرے عشق کا آغاز ہوا لیکن مجھے اس بات کا مزید اضافہ کرنا ہے کہ اس دن میرے مصائب اور رنج و آلام کا بھی آغاز ہوا۔ میں جب زنیدا سے جدا رہتا تو تڑپتا۔ میں کسی بات پر اپنی توجہ مرکوز نہ کر سکتا اور اس کی موجودگی میں بھی مجھے تکلیف ہوتی۔ میں اپنی بے بضاعتی کو سمجھتے ہوئے حسد کرتا۔ احمقانہ حرکتیں کرتا اور اس کے سامنے سجدے کرتا لیکن ایک ناقابل مزاحمت قوت مجھے اس کی طرف کھینچے لیے جا رہی تھی اور جب ان کے گھر کی دہلیز کو پار کرتا تو ایک میٹھی اور پُرمسرت ٹیس میرے دل میں اٹھتی۔ زنیدا کو بھی فوراً اس بات کا علم ہو گیا کہ میں اس کی محبت میں بُری طرح گرفتار ہوں۔ میں واقعی اس کی محبت میں مبتلا تھا۔ اور اس

www.taemeernews.com

بات کو چھپانا بھی نہیں چاہتا۔ دوسرے اس نگاہ پر خوش ہوتی۔ میرا مذاق اڑاتی۔ مجھے جھڑکتی اور مجھے اذیت پہنچاتی۔ کسی دوسرے کی عظیم خوشی یا گہرے غم کا واحد ذریعہ ہونا قطعی اور غیر متبدل سبب ہونا کس قدر شیریں ہے۔ میں زنیدا کے ہاتھوں میں موم کی طرح تھا۔ لیکن میں تنہا اس کی محبت میں گرفتار نہیں تھا جو لوگ اس کے گھر آتے تھے وہ سب کے سب اس پر فریفتہ تھے اور وہ سب کو ایک ہی سطح پر رکھتی تھی۔ اپنے قدموں پہ اس کو اس بات میں لذت ملتی تھی کہ وہ ان کے دلوں میں امید اور شمع روشن کرے اور اندیشوں کے کانٹے اگائے اور ان کو اپنی انگلی کے گرد اون کی طرح لپیٹتی رہے (اسے وہ لوگوں کو متصادم کرنے کا نام دیتی تھی) اور وہ کوئی مزاحمت نہیں کرتے تھے اور اس کی مرضی کے آگے سر جھکا دیتے تھے۔ اس کا ہوشیار اور حسین وجود چالاکی اور بے باکی کا تصنع اور سادگی کا اور سکون اور درندہ صفت کردار کا دلآویز امتزاج تھا۔ جو کچھ بھی وہ کہتی تھی اور جو کچھ بھی وہ کرتی تھی اس کی تمام حرکات پر ایک روشنی سی، نفاست سی، ایک مخصوص قوت سی مسلط رہتی تھی۔ اس کا چہرہ جو ہر وقت بدلتا رہتا تھا ہمیشہ دمکتا رہتا تھا۔ یہ چہرہ فوری طور پر تضحیک، تفکر اور جوش و ولولہ کا اظہار کرتا تھا۔ اس کی آنکھوں اور اس کے ہونٹوں پہ نہایت ہی متضاد جذبات ابر آلود دن کے ہلکے اور تیز سایوں کی طرح منڈلاتے رہتے تھے۔ اس کا ہر شیدائی اس کے لئے ضروری تھا۔ بلاف زروف جسے وہ "میرے حیوان!" یا بعض اوقات صرف "میرے" کے نام سے پکارتی تھی اس کے لئے شعلوں میں کودنے کے لئے تیار تھا۔ اپنی ذہنی قوتوں اور دوسری خوبیوں پہ بھروسہ کرتے ہوئے وہ اسے ہر وقت شادی کی دعوت دیتا رہتا تھا اور اکثر اس رائے کا اظہار کرتا رہتا تھا کہ دوسرے اس معاملہ میں اس قدر سنجیدہ نہیں ہیں۔ میدنعت اس کے باطن کے شعری جذبات کو ابھارتا رہتا تھا۔ گو یہ وہ دوسرے ادیبوں کی طرح فطرتاً سرد مہر تھا لیکن وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ اسے اور شاید اپنے آپ کو بھی یہ یقین دلاتا رہتا تھا کہ وہ اس کا پرستار ہے۔ اس کے حسن کی قصیدہ خوانی کرتا تھا اور وارفتگی کے عالم میں شعر سناتا تھا جن سے اس کے

www.taemeernews.com

لگاؤ اور اس کے خلوص کا اظہار ہوتا تھا اور وہ اس سے ہمدردی رکھتے ہوئے بھی اس کے ساتھ تضحیک سے پیش آتی تھی۔ اُسے شاعر مید نف پر اعتماد نہیں تھا۔ وہ اس کی قصیدہ خوانی سننے کے بعد اس سے کہتی تھی کہ وہ اسے پشکن کے شعر سنائے اور وہ اسے فضا کو پاک و صاف کرنا کہتی تھی۔ لوشن جو ایک ڈاکٹر تھا اور جس کے الفاظ سے اس کی کلبیت پسندی ظاہر ہوتی تھی اس کو اچھی طرح سمجھتا تھا اور اُسے سب سے زیادہ پیار کرتا تھا اور وہ اس کے منہ پر اس کے پیٹھ پیچھے اُسے گالیاں بھی دیتا تھا۔ وہ اس کی عزت کرتی تھی۔ لیکن اس کو معاف نہیں کرتی تھی اور اس بات میں مسرت محسوس کرتی تھی کہ اُسے دکھائے کہ وہ بھی اس کی قوت کا غلام ہے۔ "میں بڑی شوخ ہوں لیکن میرے سینے میں دل نہیں ہے۔ میں ایک اداکارہ ہوں۔" ایک دفعہ اس نے میری موجودگی میں اس سے یہ بات کہی تھی۔ "بہت اچھا تو لاؤ! مجھے یہ اپنا ہاتھ دو میں اس میں سوئی چبھوؤں گی۔ اور تم اس نوجوان کے سامنے شرمندہ ہو گے۔ تمہیں تکلیف ہوگی اور اس کے باوجود بھی تم ہنسو گے میاں صداقت!" لوشن کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ اس نے اپنا منہ موڑ لیا اور اپنے ہونٹ چبانے لگا مگر اس نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے بڑھا دیا۔ اس نے واقعی اس کے ہاتھ میں سوئی چبھو دی اور وہ اس کے کہنے کے مطابق ہنس پڑا۔ وہ بھی ہنسی اور اس نے سوئی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بہت گہری چبھوئی۔ میں کاؤنٹ ملاوسکی سے اس کے رشتہ کو بالکل نہ سمجھ سکا۔ وہ ایک خوبصورت شخص تھا، چوکنا اور ذہین لیکن اس میں کچھ دورنگی پائی جاتی تھی۔ اس میں تصنع تھا اور وہ بالکل عیاں تھا حتیٰ کہ سولہ برس کا ایک لڑکا بھی اس کے تصنع کو بھانپ سکتا تھا مگر زینیدا اس میں یہ تصنع نہیں دیکھ پاتی تھی اور مجھے اس بات پر حیرت ہوتی تھی۔ مگر کون جانے شاید وہ اس تصنع سے آگاہ ہو۔ شاید وہ اس تصنع کو برا نہ خیال کرتی ہو۔ اس کی تعلیم کے نقائص، اس کے یہ عجیب و غریب شناسا، اس کی عادات، اس کی ماں کی ہر وقت کی موجودگی، گھر میں افلاس اور بدنظمی اور اس آزادی سے لے کر جس سے وہ لطف اندوز ہوتی تھی اپنے گرد منڈلانے والوں پر برتری کے شعور تک یعنی ہر چیز نے اس میں نفرت انگیز بے نیازی

www.taemeernews.com

اور اخلاقی تنگدلی کو مضبوط بنایا تھا۔ ان کے گھر میں جو کچھ بھی گذرتا تھا چاہے وہ فیٹی آکر اعلان کرتا تھا کہ گھر میں چینی نہیں ہے یا بھونڈی قسم کی چہ میگوئیاں یا ان کے مہمانوں کا آپس میں جھگڑا وہ ان سب کے بارے میں اپنے بالوں کے گچھوں کو جھٹک کر صرف اتنا کہتی تھی "کیا حماقت ہے" اور وہ ان سے متاثر ہونے سے انکار کرتی تھی۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ میرا لہو کھولنے لگتا تھا جب ملافسکی لومڑی کی طرح اس کے قریب کھسک جاتا تھا اور اس کی کرسی کے پیچھے جا کر ٹانگیں ہلانے لگتا تھا اور سرگوشی کرنے لگتا تھا اور وہ اپنے بازو اپنے سینے پر باندھ کر بڑی سنجیدگی کے ساتھ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراتی تھی اور اپنے سر کو جنبش دیتی رہتی تھی۔

"تم کاؤنٹ ملافسکی کو اپنے یہاں آنے کی کیوں اجازت دیتی ہو؟" میں نے ایک دن اس سے پوچھا۔

"اس کی مونچھ بڑی پیاری ہے" اس نے جواب دیا۔ "لیکن تم کیا سمجھو گے؟"

اور پھر ایک دن اس نے کہا "تمہیں کہیں یہ خیال تو نہیں ہو رہا کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ نہیں میں اس قسم کے مرد سے کبھی محبت نہیں کر سکتی جس کو میں حقارت کی نظر سے دیکھوں۔ مجھے تو ایک ایسے مرد کی ضرورت ہے جو میرے عزم کو توڑ کر رکھ دے مگر ایسا کوئی شخص مجھے کبھی نہیں ملے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں کسی کے جال میں نہ پھنسوں گی۔"

"اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم کسی سے محبت نہیں کر سکو گی؟"

"لیکن تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا میں تم سے محبت نہیں کرتی؟" اس نے میری ناک پر اپنا دستانہ پھیرتے ہوئے کہا۔

زنیدا مجھے ستا کر بہت لطف اٹھاتی تھی۔ تین ہفتوں تک میں اس سے ہر روز ملتا رہا اور ان ہفتوں میں وہ مجھ پر ستم ڈھاتی رہی! وہ ہمارے گھر کبھی کبھی آتی، اور مجھے اس بات پر افسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہمارے یہاں اکثر کیوں نہیں آتی کیونکہ جب وہ ہمارے یہاں آتی تھی تو خود کو ایک معزز خاتون ظاہر کرتی تھی اور میں شرم محسوس کرتا

www.taemeernews.com

تھا کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ میں اپنی والدہ کے سامنے اپنا کہیں راز نہ فاش کر دوں۔ میری والدہ کو زنیدا انتہائی ناپسند تھی اور وہ ہم دونوں کو معاندانہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

میں اپنے والد سے اتنا نہیں گھبراتا تھا۔ وہ مجھے مکمل طور سے نظر انداز کر دیتے تھے اور اس سے بھی کوئی بات نہیں کرتے تھے لیکن جب کبھی وہ اس سے کوئی بات کرتے تھے تو اس میں ذہانت کا رنگ ہوتا تھا۔ میں نے پڑھنا اور مطالعہ کرنا ترک کر دیا۔ میں نے گھوڑ سواری اور دیہی علاقہ کی سیر بھی چھوڑ دی۔ میں ٹانگ کے ساتھ چمٹے ہوئے بچے کی طرح منسلکہ عمارت کا طواف کرتا رہتا۔ اگر ممکن ہوتا تو میں ہمیشہ کے لئے وہاں کا ہو رہتا۔

لیکن میری والدہ بڑبڑانے لگتیں اور خود زنیدا کئی مرتبہ مجھے اپنے یہاں سے بھگا دیتی جب کبھی وہ ایسا کرتی میں خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیتا یا پھر باغ کے کونے میں دور نکل جاتا اور پھولوں کے تحفظ کے لئے اینٹوں کے گھر کی دیوار پر چڑھ کر بیٹھ جاتا اور اس طرح گھنٹوں بیٹھا رہتا۔ اپنی ٹانگیں ہلاتا رہتا اور خلا میں بے مقصد گھورتا رہتا۔ سفید تتلیاں گرد سے اٹی ہوئی پھولوں کی پنکھڑیوں پہ پھڑپھڑاتی رہتیں۔ کوئی چڑیا شکستہ اینٹ پہ آکر بیٹھ جاتی اور دیر تک چہچہاتی رہتی۔ اس اینٹ پہ چکر کاٹتی اور اپنی دم ہلاتی رہتی کوے جو مجھے ابھی تک شک کی نگاہوں سے دیکھتے تھے کسی ننگی شاخ پہ بیٹھے کائیں کائیں کرتے رہتے اور سورج اور ہوا درختوں کی شاخوں میں آنکھ مچولی کھیلتے رہتے۔ بعض اوقات ٹان سکائی نام کی خانقاہ کی گھنٹیوں کی آواز سنتا رہتا اور میرا دل ایک خاص ہیجان سے لبریز ہو اٹھتا جسے بیان کرنا میرے لئے مشکل ہے۔ یہ ہیجان سب کچھ اپنے حلقے میں لئے ہوتا۔ اداسی اور مسرت، تشویش ناک قیاس آرائیاں، زندگی کی تمنا اور زندگی کا خوف۔ اس وقت ان میں سے کوئی چیز میری سمجھ میں نہ آتی اور میں اس ہیجان کو کوئی نام نہ دے سکتا جو میرے باطن میں موجزن ہوتا۔ اور اگر میں نے کوشش کی ہوتی تو صرف ایک ہی نام تلاش کیا ہوتا۔ اور وہ نام تھا زنیدا۔

اس مدت کے دوران زنیدا مجھ سے یوں کھیلتی رہی جس طرح بلی چوہے کے ساتھ کھیلتی ہے۔ وہ مجھ سے ذرا سا پیار کرتی۔ ناز و ادا سے کام لیتی اور میں فوراً پگھل

www.taemeernews.com

جاتا اور میری رگوں میں آگ بھر جاتی لیکن وہ فوراً ہی مجھے دھکا دے کر پرے پھینک دیتی۔ اور مجھ میں اتنی ہمت نہ ہوتی کہ میں اس کے قریب جاؤں یا اس کی طرف ایک نظر دیکھ بھی سکوں۔

مجھے یاد ہے کہ وہ کئی دنوں تک مسلسل مجھ سے دور رہی۔ میں ہمت ہار بیٹھا۔ اور منسلکہ عمارت میں دبے پاؤں جا کر بوڑھی شہزادی کے قریب رہتا اگرچہ وہ ان دنوں بہت برہم تھی۔ اس کی مالی حالت بری طرح خستہ ہو چکی تھی اور مقامی پولیس تھانہ میں اسے دو مرتبہ اپنی صفائی پیش کرنا پڑی تھی۔

ایک دن جانی پہچانی باڑھ کے قریب سے گذرتے ہوئے میں نے زنیدا کو دیکھا۔ وہ اپنے بازوؤں کا سہارا لے کر گھاس پر بیٹھی ہوئی تھی اور بالکل بے حس و حرکت تھی میں نے چپکے سے وہاں سے چلا آنا چاہا مگر زنیدا نے اپنے سر کو جنبش دے کر مجھے اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا لیکن میں اپنی جگہ پر جم کر کھڑا رہا کیونکہ مجھے یقین نہیں تھا کہ اس کے اشارہ کا کیا مطلب ہے۔ اس نے اپنے اشارے کو دہرایا۔ میں باڑھ پر سے کود کر فرط مسرت سے بھاگتا ہوا اس کے پاس پہنچا لیکن اس نے مجھے اپنی آنکھوں کی جنبش سے دور ہی روک دیا اور اپنے سے دو قدم کے فاصلے پر مجھے بیٹھنے کے لئے کہا۔ گھبراہٹ میں اور شرم کے مارے میں اس کی بتائی ہوئی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس کا رنگ بہت زرد تھا۔ اس کے خد و خال سے رنج و الم ٹپک رہا تھا۔ اس کے سراپا سے گہری بیزاری جھلک رہی تھی۔ میں دل ہی دل میں کسمسا کے رہ گیا اور مجھ سے پوچھے بغیر نہ رہا گیا۔

"کیوں کیا بات ہے؟"

زنیدا نے اپنے ہاتھ بڑھا کر گھاس کا ایک تنکا توڑا۔ اسے چوسا اور پھر دور پھینک دیا۔

"تمہیں مجھ سے بہت محبت ہے نا؟" آخر کار اس نے پوچھا۔ "کیوں ہے نا؟"

میں نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

"ہاں تمہیں مجھ سے بے حد محبت ہے" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا

www.taemeernews.com

"میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے بہت پیار کرتے ہو۔ محبت تمہاری آنکھوں سے پیدا ہے۔ ویسی ہی آنکھیں ہیں۔" اور پھر سوچتے ہوئے اور اپنے چہرے کو ہاتھوں میں چھپاتے ہوئے اس نے کہا۔ "میں تنگ آچکی ہوں۔ میں کہیں دور بھاگ جانا چاہتی ہوں۔ میں اب زیادہ برداشت نہیں کر سکتی ... اور پھر نہ جانے میری تقدیر میں کیا ہے۔ آہ میں کس قدر رنجیدہ ہوں۔ کتنی ناخوش ہوں۔"

"مگر کیوں؟" میں نے گھبراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

زنیدا صرف اپنے کندھے جھٹک کر رہ گئی۔ میں گھٹنوں کے بل جھکا ہوا فرطِ اندوہ سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کا ہر لفظ میرے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گیا تھا۔ اس وقت میں نے اس کا دکھ دور کرنے کے لئے اپنی جان تک دے دی ہوتی۔ میں اس کی طرف دیکھتا رہا اور ابھی تک میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آرہی تھی کہ کس چیز نے اُسے اس قدر غم زدہ بنا دیا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ ناقابلِ برداشت افسردگی سے گھبرا کر وہ باغ میں نکل آئی تھی اور گھاس پر بے بس ہو کر گر پڑی تھی جیسے کسی نے اسے گولی کا نشانہ بنا دیا ہو۔ چار سو سبزہ ہی سبزہ بچھا ہوا تھا۔ ہوا پتوں کو لہلہا رہی تھی۔

دور فاختائیں چوں چوں کر رہی تھیں اور شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ نیلا آسمان اوپر سے اپنی تابناکی برسا رہا تھا اور میں بھی ملول تھا....

"کیا تم کوئی شعر پڑھ سکتے ہو؟" زنیدا نے بڑی ملائمت کے ساتھ پوچھا اور وہ کہنی کے بل بیٹھ گئی۔ "میں تمہیں شعر پڑھتا ہوا سننا چاہتی ہوں۔ تم ترنم سے شعر پڑھو تمہیں شعر پڑھتا سن کر جوانی کا احساس ہوتا ہے۔ مجھے "جارجیا کے پہاڑو!" والا گیت سناؤ۔ پہلے ذرا ٹھیک سے بیٹھ جاؤ۔"

میں بیٹھ گیا اور میں نے "جارجیا کے پہاڑو!" تمام کا گیت ترنم سے سنایا

"محبت نہ کرنا اس کی طاقت سے باہر ہے۔" زنیدا نے آخری مصرع خود دہرایا۔ "ہم شاعر اسی سے اسی لئے محبت کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ غیر حقیقی چیزوں کو بیان کرتی ہے مگر ان کو حقیقت سے بھی کہیں زیادہ بہتر بنا دیتی ہے۔ حقیقی چیزوں کو زیادہ حقیقی چیزیں

www.taemeernews.com

بنادیتی ہے "محبت نہ کرنا اس کی طاقت سے باہر ہے" کتنی اچھی بات ہے" دل محبت نہیں کرنا چاہتا مگر وہ محبت کئے بغیر رہ بھی نہیں سکتا" پھر وہ خاموش ہوگئی اور پھر چونک کر اٹھ بیٹھی "آؤ میدلعت میری والدہ کے پاس بیٹھا ہے۔ وہ میرے لئے اپنی نظم لایا تھا مگر میں اٹھ کر باہر چلی آئی۔ وہ بھی پریشان ہے۔ لیکن کیا ہوسکتا ہے۔ ایک روز تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ آج مجھ سے ناراض نہ ہونا"

پھر اس نے میرا ہاتھ زور سے دبایا اور میرے آگے بھاگنے لگی۔ ہم دونوں ایک ساتھ منسلکہ عمارت میں داخل ہوئے۔ میدلعت ہمیں اپنی نظم "قاتل" پڑھ کر سنانے لگا جو ابھی ابھی شائع ہوئی تھی لیکن میں نے اس کی نظم نہ سنی۔ وہ چار رکنوں کی بحر میں لکھے ہوئے شعر ترنم کے ساتھ پڑھتا رہا۔ قافیے بدلتے رہے اور لوہے کی گاڑی کی گھنٹیوں کی طرح کھل کھلے اور شور آفریں انداز میں بجتے رہے اور میں زبیدا کے چہرے کا مطالعہ کرتا رہا اور جو کچھ اس نے مجھ سے کہا تھا اس کے معنی کریدنے کی کوشش کرتا رہا۔

کیا یہی وہ خفیہ رقیب ہے۔

جس نے تمہیں یک بیک اتنا متاثر کر دیا ہے۔

میدلعت بھنی بھنی آواز میں گنگنا رہا تھا۔ میری اور زبیدا کی آنکھیں چار ہوئیں اس نے اپنی آنکھیں جھکا لیں۔ اس کے چہرے پر شرم کی سرخی دوڑ گئی اور خوف کے مارے میری رگوں میں لہو جم گیا۔ میں پہلے بھی حسد کرتا رہا تھا مگر پہلے مجھے یہ کبھی خیال نہیں آیا تھا کہ شاید اسے محبت ہوگئی ہو "وہ تو واقعی محبت میں مبتلا ہے"

۱۰

میرا اصل عذاب اس وقت شروع ہوا۔ میں اپنے ذہن پر دباؤ ڈالتا رہا۔ ہر بات کو الٹتا پلٹتا رہا اور حتی الامکان خفیہ طریقے سے کڑی نگرانی کرتا رہا۔ زبیدا میں کچھ تبدیلیاں ضرور آگئی تھیں۔ یہ بات بالکل

www.taemeernews.com

صاف تھی۔ اب وہ دور تک تنہا سیر کے لئے نکل جاتی بعض اوقات وہ اپنے مہمانوں سے ملنے کے لئے بھی باہر نہ آتی اور ان کے آنے کے وقت تک اپنے کمرے میں بند رہتی۔ وہ پہلے تو اس طرح کبھی نہیں کیا کرتی۔ دفعتاً میں چونکا ہو گیا "یہ ہے کہ وہ؟" میں اس کے ایک پرستار کی طرف سے اپنا شبہ دوسرے کے ساتھ وابستہ کر دیتا کاؤنٹ بلافسکی (اس اعتراف نے مجھ کو زنیدا کے لئے شرمندہ کر دیا) مجھے سب سے زیادہ خطرناک معلوم ہوتا تھا۔

میں اس قدر محتاط نہیں تھا اس لئے میری پُر اسراریت سے کسی کو بھی دھوکا نہیں ہو سکتا تھا لیکن ڈاکٹر ٹوشن نے اسے فوراً بھانپ لیا لیکن پچھلے دنوں سے وہ بھی بہت تبدیل ہو چکا تھا۔ بہت ہی دبلا ہو گیا تھا۔ وہ اگرچہ اب بھی پہلے کی طرح تنہا تھا مگر اب اس کی ہنسی کھوکھلی اور تلخ تھی اور یہ ہنسی بہت ہی مختصر ہوتی تھی۔ اس کی سابقہ ہلکی طنز اور زبردستی کی مسلط کی ہوئی کلبیت پسندی کی جگہ اعصابی اشتعال انگیزی نے لے لی تھی جسے وہ دبانے کے اب نا قابل تھا۔

ایک روز جب ہم دونوں زنیدا کی نشست گاہ میں تنہا تھے تو اس نے مجھ سے سوال کیا "میاں نوجوان تم یہاں اکثر کیوں آتے ہو؟" (چھوٹی شہزادی ابھی سیر سے واپس نہیں آئی تھی لیکن ہم اس کی اماں کی تیکھی آواز سن سکتے تھے جو خادمہ کو جھڑک رہی تھی) "میاں نوجوان تمہیں چاہیئے کہ پڑھو۔ کام کرو۔ کیونکہ تم ابھی نو عمر ہو۔ تم کیا سمجھتے نہیں ہو کہ تم کیا کر رہے ہو؟"

"مگر تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ میں کام نہیں کرتا" میں نے ذرا برہم ہوتے ہوئے سوال کیا۔ مگر میں اپنی پریشانی کو چھپا نہ سکا۔

"کیا مجھے خبر نہیں۔ نہیں نہیں۔ تمہیں ان دنوں کام کی نہیں سوجھ رہی... خیر میں تم سے حجت نہیں کروں گا۔ تمہاری عمر میں یہ بات قدرتی ہے۔ مگر تم نے غلط انتخاب کیا ہے۔ تم بدقسمت ہو۔ تم کیا دیکھ نہیں رہے ہو یہ کس قسم کا گھرانہ ہے؟"

"مجھے ڈر ہے میں تمہاری بات سمجھ نہیں رہا" میں نے کہا۔

www.taemeernews.com

"تمہاری سمجھ میں کیوں آنے لگا۔ یہ بھی تمہاری بدقسمتی ہے۔ لیکن میں اسے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ تمہیں مطلع کر دوں۔ ہم ایسے پرانے کنوارے تو اس جگہ بے خوف و خطر آ سکتے ہیں کیونکہ ہم سرد و گرم چکھ چکے ہیں لیکن تمہاری کھال ابھی تک نرم و نازک ہے۔ یہاں کی فضا تمہارے لئے مضر ہے۔ میرا یقین کرو۔ کہیں تمہیں بھی چھوت کی بیماری اڑ کر نہ لگ جائے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"میں تمہیں ابھی بتاتا ہوں کہ میرے کہنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا تم اپنی موجودہ صورتِ حال کو صحت مند سمجھتے ہو؟ کیا یہ حسب معمول ہے؟ تمہارا کیا خیال ہے کہ جس کرب و اذیت سے تم اس وقت گذر رہے ہو وہ تمہارے حق میں اچھی ہے؟ کیوں کیا خیال ہے تمہارا؟"

"لیکن میں کس کرب و اذیت سے گذر رہا ہوں؟" میں نے پوچھا۔ اگرچہ میں دل ہی دل میں یہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر ٹھیک کہہ رہا ہے۔

"میاں نوجوان۔ میرے عزیز۔" ڈاکٹر نے سلسلۂ کلام جاری رکھا اور ہر لفظ پر اس طرح زور دیا جیسے اُن میں میرے لئے کوئی شرمناک بات ہو۔ "حکمت عملی ابھی تمہارا شعار نہیں ہو سکتی۔ تمہارا چہرہ ابھی تک تمہارے دل کا آئینہ ہے اور اس کے لئے تمہیں خدا کا شکر گذار ہونا چاہئے۔ لیکن باتیں کرنے سے فائدہ۔ میں بھی یہاں کا طواف نہ کر رہا ہوتا اگر میں .... (ڈاکٹر نے اپنے دانت کٹکٹائے) احمق نہ ہوتا۔ ایک بات پر حیران ہوئے بغیر میں نہیں رہ سکتا کہ تم جیسا ایک ذہین شخص ان باتوں سے کیوں کر لاعلم رہ سکتا ہے جو اس گھر میں ہوتی ہیں۔"

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" میں نے چونکتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر نے میری طرف ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھا۔

"میں ایک نیک آدمی ہوں۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔ "اس لئے میں تمہیں یہ بات کیوں بتاؤں؟" اور پھر اس نے اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے کہا۔ "میں صرف اپنی

www.taemeernews.com

وہی بات دہراؤں گا کہ یہاں کی فضا تمہارے لئے مضر ہے۔ شاید تمہیں یہاں مزہ آ رہا ہو۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ پود گھر میں اچھی خوشبو ہوتی ہے لیکن تم پود گھر میں رہ تو نہیں سکتے۔ میرے دوست میری بات سنو اور کیڈ نعت کی "تاریخ پڑھنا شروع کردو"

اس لمحے بوڑھی شہزادی ڈاکٹر کے پاس دانت میں درد کی شکایت لے کر آئی تھیں اس وقت زبیدا بھی نمودار ہوئی "یہ آگئی" بوڑھی شہزادی نے ڈاکٹر سے کہا "ڈاکٹر صاحب ذرا اس کی خبر لیجئے۔ یہ ہر وقت برف ملا پانی پیتی رہتی ہے۔ کیا اس کی کمزور چھاتی کے لئے یہ اچھی بات ہے؟"

"تم ایسا کیوں کرتی ہو؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"اس سے میرا نقصان کیا ہوگا؟"

"نقصان۔ شاید تمہیں سردی لگ جائے۔ اور تمہاری موت واقع ہو جائے"

"کیا واقعی سچ۔ خیر اچھا ہی ہوگا"

"اچھا تو یہ بات ہے" ڈاکٹر بڑبڑایا۔ اور زبیدا کی اماں کمرے سے باہر نکل گئی۔

"ہاں یہی بات ہے" زبیدا بولی "زندگی اتنی حسین چیز تو نہیں آخر کار ذرا اپنے گردوپیش پر نگاہ دوڑاؤ۔ کیا چیزیں اتنی اچھی ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں خود سمجھ بھی نہیں سکتی ہوں۔ کچھ بھی محسوس نہیں کرتی ہوں؟ برف ملا پانی پینے میں مجھے لطف آتا ہے اور تم آکر مجھے مشورہ دے رہے ہو کہ برف ملا پانی پینا خطرناک ہے اور مجھے اپنی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہیئے۔ میری زندگی جو ایسی ہے اس میں ایک لمحہ کی مسرت بھی بڑی چیز ہے۔۔۔"

"خوب۔ وہم اور آزادی۔ ان دو لفظوں میں تمہاری کہانی بیان کی جاسکتی ہے۔ ان دو لفظوں میں تمہاری پوری فطرت بند ہے"

زبیدا گھبراہٹ کے ساتھ ہنسی۔

"ڈاکٹر تم زمانے سے بہت پیچھے ہو" وہ بولی "تمہارا مشاہدہ بھی کمزور ہے"

www.taemeernews.com

تم وقت سے پیچھے رہ گئے ہو۔ اپنی عینک لگا کر دیکھو اور پھر تمہیں معلوم ہوگا کہ میں اس وقت کسی وہم میں مبتلا نہیں ہوں تم سب کو احمق بنانے اور اپنا سودا کرنے میں مجھے بہت لذت ملتی ہے لیکن جہاں تک آزادی کا سوال ہے . . . . مسٹر ولادمیر" اس نے یک بیک اپنا پاؤں زور سے زمین پر پٹکتے ہوئے کہا" تم اپنا منہ کیوں لٹکا کر بیٹھے ہو۔ میں برداشت نہیں کرسکتی کہ کوئی مجھ پر ترس کھائے" اور وہ تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔

"میاں نوجوان یہ فضا تمہارے لئے مضر ہے۔ بہت ہی مضر ہے" ڈاکٹر لوشن نے اپنا جملہ دہرایا۔

۱۱

اُس شام کو حسب معمول مہمان زاسے کنیا کے یہاں جمع ہوئے میں بھی اُن میں شامل تھا۔

آج کی گفتگو کا موضوع میدلف کی نظم تھی۔ زنیدا اس کی خلوص کے ساتھ تعریف کر رہی تھی" لیکن میں تمہیں ایک بات بتاؤں اگرچہ میں شاعر نہیں ہوں" وہ بولی" پھر بھی اگر میں ہوتی تو ایک مرکزی خیال پر نظم کہتی۔ شاید یہ موضوع محض بکواس ہو مگر جس وقت میں سو نہیں سکتی اس وقت عجیب و غریب خیالات میرے ذہن میں آتے ہیں خاص طور پر جب پو پھٹتی ہے، آسمان گلابی اور بھورا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر میں . . . . لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم سب ہنس دوگے"

نہیں ہم بالکل نہیں ہنسیں گے" سب ایک ساتھ چلائے۔

"اچھا تو میں بیان کرتی ہوں" اس نے دور کہیں دیکھتے ہوئے اپنے بازو اپنے سینے پر باندھ لئے اور بولی" ایک پُرسکون ندی میں ایک رات کو بہت بڑی کشتی میں جوان لڑکیوں کی ایک جماعت سیر

www.taemeernews.com

کررہی ہے۔ چاند کنول کی طرح کھلا ہوا ہے۔ ان لڑکیوں نے سفید لباس پہن رکھے ہیں کشتی میں سفید پھولوں کے گجرے پڑے ہیں اور وہ کوئی مذہبی گیت گا رہی ہیں۔۔۔"

"میں سمجھا۔ میں سمجھا" میڈنف نے اونگھتے ہوئے کہا۔

"دفعتاً کنارے پر شور بلند ہوتا ہے۔ لوگ مشعلیں لیے ہوئے ہیں۔ ہنس رہے ہیں۔ اور ڈھول پیٹ رہے ہیں۔ دفعتاً شرابی پجاریوں کا گروہ دوڑتا ہوا، گاتا ہوا اور غل مچاتا ہوا قریب آتا ہے۔ مسٹر شاعر یہ منظر کھینچنا تمہارے بس کی بات ہے۔۔۔۔ مگر میں اتنا کہوں گی کہ مشعلیں بہت سرخ ہونی چاہئیں اور ان سے خوب دھواں اُٹھنا چاہیئے اور شرابی پجاریوں کی پھولوں تلے آنکھیں خوب چمک رہی ہونی چاہئیں۔ ان کے بدن پر شیر کی کھال ہونی چاہیئے۔ ان کے ہاتھوں میں جام ہوں اور ڈھیروں سونا ہو۔۔۔۔"

"لیکن سونا کہاں ہوگا؟" میڈنف نے اپنے سیدھے بالوں کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ اس کے نتھنے پھڑپھڑا رہے تھے۔

"کہاں؟ ان کے کندھوں پر، بازوؤں پر، ٹانگوں پر۔ کہیں بھی۔ کہا جاتا ہے کہ قدیم زمانے میں عورتیں اپنے ٹخنوں کے گرد سونے کے کڑے پہنتی تھیں۔ یہ شرابی پجاری دوشیزاؤں کو اپنی کشتی میں بلاتے ہیں۔ دوشیزاؤں نے اپنا گیت گانا بند کردیا ہے۔ اب وہ کیسے گا سکتی ہیں۔ وہ بے حس بیٹھی رہتی ہیں اور ان کی کشتی کنارے کی طرف چلتی ہے پھر کیا ہوتا ہے ان میں سے ایک دوشیزہ دفعتاً اُٹھتی ہے۔ یہاں زورِ بیان کی تمام قوت صرف ہو جانی چاہیئے۔۔۔۔۔ وہ کیسے اُٹھتی ہے، چاندنی کس طرح چھٹکی ہوئی ہے۔ کس طرح دوشیزاؤں میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ وہ کشتی پر سے اترتی ہے۔ شرابی پجاری اس کے گرد حلقہ باندھ لیتے ہیں اور رات کی تاریکی میں اُسے اٹھا کر دوڑے جاتے ہیں۔ مجھے دھواں نظر آرہا ہے۔ دھوئیں کے بادل اور چاروں طرف بھگدڑ مچی ہوئی ہے۔ شرابیوں کی چیخ پر اور کنارے پر پڑے ہوئے پھولوں کے سفید گجروں پر یہ نظم ختم ہو جانی چاہیئے۔" زبیدا نے بولنا بند کردیا۔" وہ ضرور محبت

www.taemeernews.com

میں مبتلا ہے۔" میں نے اپنے آپ سے کہا۔

"کیا بس؟" میدنف نے پوچھا۔

"بس" زنیدا نے جواب دیا۔

"یہ ایک طویل نظم کا موضوع نہیں ہے۔" میدنف نے ذرا رعب کے ساتھ کہا "میں اس خیال کو ایک غنائیہ نظم کے لئے شاید استعمال کرسکوں۔"

"رومانی انداز میں؟" ملافسکی نے پوچھا۔

"ہاں رومانی انداز میں بائرن کی طرح۔"

"میں وکٹر ہیوگو کو بائرن پر ترجیح دیتا ہوں۔" نوجوان کاؤنٹ ملافسکی نے لاپروائی سے کہا۔ "ہیوگو زیادہ دلچسپ ہے۔"

"وکٹر ہیوگو اعلیٰ درجہ کا ادیب ہے۔" میدنف بولا۔ "اور میرے دوست ہسپانوی ادیب نے اپنے ناول ....."

"تمہارا مطلب اس کتاب سے تو نہیں جس میں سوالیہ نشان اُلٹے ہیں۔"

"ہاں ہسپانوی زبان کا یہی انداز ہے۔ میں کہنے والا تھا کہ میرا ہسپانوی دوست ——"

"اوہ تم نے تو اب کج بحثی شروع کردی کہ رومانیت کیا ہے اور کلاسیکی ادب کیا ہے۔" زنیدا نے بیچ میں ٹوکتے ہوئے کہا۔ "آؤ ہم کوئی کھیل کھیلیں....."

"جرمانے کا کھیل؟" ڈاکٹر لوشن نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں اس کھیل سے اُکتا چکی ہوں۔ آؤ آج ہم تشبیہوں کا کھیل کھیلیں۔ یہ کھیل زنیدا کی ایجاد تھا۔ ایک چیز چن لی جاتی تھی اور ہر آدمی اس چیز کی تشبیہ تلاش کرتا تھا اور جس آدمی کی تشبیہ زیادہ طرب انگیز ہوتی تھی اُسے انعام دیا جاتا تھا۔" اتنا کہہ کر وہ کھڑکی کے قریب چلی گئی۔ سورج ابھی غروب ہوا ہی تھا۔ آسمان کی بلندیوں پر بادلوں کا ایک طویل سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔

"یہ بادل کس طرح معلوم ہوتے ہیں؟" زنیدا نے پوچھا اور کسی کے جواب

www.taemeernews.com

کا انتظار کئے بغیر کہا "میرے نزدیک وہ ملکہ کلوپٹرا کے بجرے کے سنہری بادبان ہیں جب وہ انطونی سے ملنے کے لئے گئی تھی۔ میدنف تمہیں یاد ہے تم نے کلوپٹرا کی داستان بہت دن ہوئے سنائی تھی؟"

اور ہم سب نے پولی نیوں کی طرح اتفاق کیا اور وہیں فیصلہ صادر کر دیا کہ بادل واقعی بادبانوں سے ملتے تھے اور کوئی اس سے بہتر تشبیہ نہیں ڈھونڈ سکتا۔

"اس وقت انطونی کی کیا عمر تھی؟"

"جوان تھا۔" ملا فسکی نے جواب دیا۔

"ہاں وہ جوان تھا۔" میدنف نے یقین کے ساتھ کہا۔

"مجھے معاف کرنا۔ اس کی عمر اس وقت چالیس برس کی تھی۔" ڈاکٹر لوشن بولا۔

"چالیس سے زیادہ کی عمر کا تھا۔" زنیدا نے ایک خشمگیں نگاہ ڈاکٹر لوشن کی طرف پھینکی۔

جلد ہی میں گھر لوٹ آیا۔ "وہ کسی سے محبت کر رہی ہے۔" میں نے غیر ارادی طور پر اپنے آپ سے سرگوشی کی۔ "مگر وہ کس سے محبت کر رہی ہے؟"

۱۲

دن گذرتے گئے اور زنیدا زیادہ سے زیادہ اجنبی اور ناقابل فہم ہوتی گئی۔ ایک دفعہ میں اس کے کمرے میں گیا اور اسے سرکنڈوں کی کرسی پر بیٹھا پایا اور اس نے اپنا سر میز پر رکھا ہوا تھا۔ وہ مجھے آتا دیکھ کر ٹھیک طرح سے بیٹھ گئی اور میں نے دیکھا کہ اس کے رخسار آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تھے۔

"اوہ تم ہو تم۔" اس نے بڑی افسردگی کے ساتھ مسکراتے ہوئے

www.taemeernews.com

کہا "ادھر آؤ"

میں اس کے قریب چلا گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ دیا اور میرے بالوں کا ایک گچھا اپنی انگلی میں لپیٹ کر اُسے گھمانے لگی۔

"مجھے تکلیف ہو رہی ہے" آخر کار میں نے کہا۔

"اچھا تکلیف ہو رہی ہے۔ اور تمہارا کیا خیال ہے۔ میں مصیبت نہیں جھیل رہی ہوں" وہ بولی۔

"آہ ــــ" وہ دفعتاً چلائی کیونکہ اس نے بالوں کا گچھا جڑ سے اکھاڑ دیا تھا۔

"یہ میں نے کیا کیا! پیارے مسٹر ولادمیر!"

اس نے بالوں کو ہموار کر کے دوبارہ اپنی انگلی کے گرد لپیٹ لیا ایک انگوٹھی کی طرح "میں تمہارے یہ بال لاکٹ میں بند کر کے اپنے گلے میں پہنا کروں گی" وہ بولی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں "شاید اس طرح تمہیں کچھ تسکین ملے۔ اب تم جاؤ۔۔۔۔"

جب میں گھر لوٹا تو جھگڑا ہو رہا تھا۔ میری والدہ میرے والد سے کسی بات کی وضاحت چاہتی تھی۔ میری والدہ میرے والد پر برس رہی تھی اور میرے والد حسب دستور شائستگی اور سرد مہری سے کام لے رہے تھے اور اپنے غصہ کو دبانے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر وہ دفعتاً اٹھ کر چلے گئے۔ میں سُن نہ سکا کہ وہ ان سے کیا کہہ رہی تھیں کیونکہ میں تو اپنے ہی خیالات میں غرق تھا۔ مجھے بس اتنا یاد ہے کہ والد کی طرف سے اس وضاحت کے بعد میری والدہ نے مجھے اپنے کمرے میں بلوایا اور شہزادی کے گھر میرے اکثر جانے پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ ان کے خیال میں شہزادی اچھی عورت نہیں تھی۔ میں نے اپنی والدہ کے ہاتھ پر بوسہ دیا (میں جب بھی اپنی والدہ کو کچھ کہنے سے روکنا چاہتا تھا تو یوں ہی کیا کرتا تھا) اور پھر میں اپنے کمرے میں چلا آیا۔ زنیدا کے آنسوؤں نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ان آنسوؤں کے بارے میں کیا اندازہ لگاؤں۔ میں خود رونے کے لئے آمادہ تھا۔ یہ نہ سوچتے ہوئے کہ میں سولہ برس کا ہو چکا تھا

www.taemeernews.com

اپنے آپ کو ابھی تک بچہ سمجھ رہا تھا۔ اب میں ملانسکی اور بلاف زروف کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا جو آئے دن زیادہ سے زیادہ درندہ صفت ہوتا جا رہا تھا اور وہ کاؤنٹ کی طرف اس طرح دیکھتا تھا جیسے بھیڑیا کسی بھیڑ کی طرف دیکھتا ہے حقیقت تو یہ تھی کہ اس وقت میں کسی بارے میں کچھ بھی نہیں سوچ رہا تھا۔ میرے ہوش و حواس گم تھے اور میں تنہائی چاہتا تھا۔ یہ گھر اب مجھے بہت اچھا لگنے لگا تھا۔ میں اس کی اونچی دیوار پر چڑھ کر جا بیٹھتا اور ایک تنہا اور افسردہ نوجوان کی طرح خود اپنے آپ پر افسوس کرتا رہتا۔ میں افسردگی کی ان ہیجان انگیزیوں کو بہت پسند کرتا اور ان سے حظ اٹھاتا۔

ایک دن میں دیوار پر بیٹھا تھا اور دور کلیسا کی آواز سن رہا تھا۔ دفعتاً میں نے اپنی رگوں میں چیونٹیاں چلتی ہوئی پائیں۔ ایسا ہوا کے جھونکے یا ایک بیک کیفیت کی وجہ سے نہیں ہوا تھا۔ یہ ایک احساس تھا کہ کوئی میرے بہت ہی قریب ہے۔ میں نے نیچے نگاہ کی۔ زنیدا سڑک پر اپنے بھورے رنگ کے ریشمی لباس میں اور گلابی رومال میں تیز تیز قدم اٹھاتی جا رہی تھی۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ وہ رک گئی اور اپنی ٹہنیوں کی ٹوپی کا کنارہ ہٹا کر اس نے اپنی شہلیں آنکھیں اٹھا کر میری طرف دیکھا۔

"تم وہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے پوچھا اور وہ عجب انداز میں مسکرائی

"سنو" وہ بولی "تم ہمیشہ مجھے اپنی محبت کا یقین دلاتے رہتے ہو۔ اچھا تو اگر تمہیں مجھ سے واقعی محبت ہے تو سڑک پر فوراً کود پڑو۔"

اس کے منہ سے ابھی یہ لفظ نکلے بھی نہیں پائے تھے کہ میں اڑتا ہوا سیدھا نیچے آ رہا جیسے کسی نے پیچھے سے مجھے دھکا دے دیا ہو۔ یہ دیوار کوئی چودہ فٹ اونچی تھی۔ میں پیروں کے بل گرا اور دھماکے کی وجہ سے میں اپنے پاؤں پر کھڑا نہ رہ سکا اور گر پڑا اور چند لمحوں کے لئے بے ہوش ہو گیا۔ جب میں اپنی آنکھیں کھولے بغیر ہوش میں آیا تو میں نے زنیدا کی موجودگی کو اپنے قریب محسوس کیا۔ "او میری جان!" وہ مجھ پر جھکی ہوئی کہہ رہی تھی اور اس کی آواز سے تشویش

www.taemeernews.com

ٹپک رہی تھی۔" تم نے یہ کیا کیا۔ تم نے میری بات ہی کیوں سُنی ؟ تم جانتے ہو کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ اب اٹھو پیارے۔"

میں اُس کے سینے کے زیر و بم کو بہت قریب محسوس کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میری پیشانی پر تھے اور پھر۔ اس کے نرم نرم ہونٹ میرے چہرے پہ بوسے برسا رہے تھے اس کے ہونٹ میرے ہونٹوں کو چھو رہے تھے .... لیکن زنیدا شاید میرے چہرے کے آثار سے بھانپ گئی تھی کہ میں بیہوش نہیں ہوں کیونکہ وہ دفعتاً یہ کہتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"پاگل اور شریر لڑکے اب اٹھ بھی جا۔ یوں ریت میں کیوں پڑا ہے ؟"

میں اپنے پاؤں پر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"لاؤ میری دھوپ ٹوپی کہاں ہے۔ نہ جانے میں نے اُسے کہاں گرا دیا ہے تم میری طرف احمقوں کی طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔ اچھا یہ بتاؤ تمہیں چوٹ تو نہیں آئی! میرا خیال ہے کہ تمہارے کانٹے چبھ گئے ہیں۔ میں کہتی ہوں کہ میری طرف اس طرح نہ دیکھو لیکن تم میری بات سُنتے ہی نہیں۔ تم میری بات کا جواب ہی نہیں دے رہے۔" اور پھر اس نے جیسے اپنے آپ سے کہا "مسٹر ولادمیر اپنے گھر جاؤ اور وہاں جاکر برش سے اپنے کپڑے جھاڑو اور یاد رکھنا میرا تعاقب نہ کرنا نہیں تو میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔"

اپنا جملہ ختم کئے بغیر وہ تیز تیز قدم اُٹھاتی ہوئی چلی گئی اور میں سڑک کے کنارے بیٹھ گیا کیونکہ میرے گھٹنے کانپ رہے تھے۔ میرے ہاتھوں میں کانٹے چبھ گئے تھے۔ میری پیٹھ میں درد ہو رہا تھا لیکن اتنی مسرت میں نے آج تک کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ یہ مسرت ایک میٹھے درد کی طرح میرے عضو عضو میں سرسرا رہی تھی حقیقت یہ تھی کہ میں ابھی تک ایک بچہ تھا۔

www.taemeernews.com

۱۳

اس روز میں بہت نازاں اور مسرور رہا۔ میرے چہرے پہ زنیدا کے بوسوں کا پیدا کردہ ہیجان ابھی تک موجود تھا۔ میں اس کے کہے ہوئے لفظ لفظ کو یاد کر رہا تھا اور مجھ پہ سرمستی کا عالم طاری تھا اور میں اپنی خوش قسمتی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ میں خوفزدہ بھی تھا اور زنیدا سے ملنا بھی نہیں چاہتا تھا جو ان تمام نئی کیفیات کا سرچشمہ تھی۔ میں یوں محسوس کر رہا تھا جیسے میں اب تقدیر سے کچھ اور نہیں مانگنا چاہتا تھا۔ جیسے میرے لئے اب وقت آگیا تھا کہ میں "آخری سانس لوں اور مر جاؤں"۔ تاہم دوسرے دن جب میں منسلکہ عمارت کی طرف روانہ ہوا تو میں بہت خود آگاہ تھا۔ زنیدا نے حسب معمول میرا خیر مقدم کیا اور کسی قسم کے جذبہ کا اظہار نہ کیا۔ اس نے میری طرف صرف انگلی ہلائی اور یہی پوچھا کہ میرے کوئی خراش تو نہیں آئی تھی۔ میں نے اگرچہ زنیدا کی طرف سے کسی خاص مظاہرے کی توقع نہیں کی تھی لیکن پھر بھی زنیدا کے پُرسکون خیر مقدم نے مجھ پہ برف سی گرا دی۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں اس کی نظروں میں صرف ایک بچہ ہی تھا۔ اس انکشاف نے مجھے افسردہ بنا دیا۔ زنیدا کمرے کے فرش پہ اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی اور جب بھی اس کی نگاہ میری نگاہ سے ملتی تھی وہ مسکرا دیتی تھی لیکن اس کے خیالات کہیں دُور چکر لگا رہے تھے۔ یہ بات مجھے صاف نظر آ رہی تھی۔ "کیا میں خود ہی کل کے واقعہ کا اس سے ذکر کروں؟" میں نے سوچا۔ "اس سے یہی پوچھوں کہ کل وہ اتنی جلدی میں کہاں جا رہی تھی۔ اس طرح میرے شکوک تو رفع ہو جائیں گے"۔ لیکن میں نے اس خیال کو ترک کر دیا

www.taemeernews.com

رکمرے کے ایک گوشے میں جا کر بیٹھ گیا۔

بلاف زروف اندر آیا اور مجھے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔

"میں تمہارے لئے کوئی زین والا گھوڑا تلاش نہیں کر سکا۔" اس نے کہا "ایک موٹا تو ہے مگر ذرا تند خو ہے اور مجھے ڈر ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"تمہیں کس بات کا ڈر ہے" زنیدا نے ترش روئی کے ساتھ کہا " یہ بتانے کی زرا تکلیف گوارا کیجئے "

"کیوں۔ تم جانتی ہو کہ تم گھوڑ سواری میں طاق نہیں ہو۔ فرض کرو تمہیں کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے۔ خدا نہ کرے ایسا ہو لیکن یہ تو بتاؤ کہ دفعتاً تمہیں گھوڑ سواری کا شوق کیوں چرایا ہے ؟"

"اس بات سے میرے پیارے درندے تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔ اچھا میں پیاٹر ویسلی فچ سے کہوں گی (پیاٹر ویسلی فچ میرے والد کا نام ہے) اس نے جس بے تکلفی سے میرے والد کا نام لیا تھا اس پر مجھے حیرت ہوئی۔ جیسے اس کو اس بات پر یقین ہو کہ وہ اس کا مطالبہ پورا کرنے پر آمادہ ہوں۔

"میں اب سمجھا" بلاف زروف بولا "اچھا تو تم اس کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر جانا چاہتی ہو"

"چاہے میں اس کے ساتھ جانا چاہتی ہوں یا کسی اور کے ساتھ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر میں تمہارے ساتھ نہیں جا رہی بہر حال "

"میرے ساتھ نہ چلو" بلاف زروف نے کہا " جیسی تمہاری مرضی۔ میں تمہارے لئے گھوڑا لے آؤں گا "

"مگر گھوڑا ہو بھینس نہ ہو" زنیدا بولی " میں اسے سرپٹ دوڑانا چاہتی ہوں ــــ"

"سرپٹ دوڑو۔ یہ کیا ملافسکی کے ساتھ سرپٹ دوڑنا چاہتی ہو ؟"

"میرے بہادر سپاہی۔ ملافسکی کے ساتھ کیوں نہ جاؤں۔ اچھا اب ذرا صبر

www.taemeernews.com

کرو۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ آنکھوں سے شعلے نہ برساؤ۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں تم تو جانتے ہی ہو کہ ملافسکی اب میرے نزدیک کیا ہے۔" اس نے اپنے سر کو جنبش "تم صرف میری تسلی کی خاطر ایسا کہہ رہی ہو۔" بلاف زروف نے شکوہ کیا۔

زنیدا نے اس کی طرف اپنی آنکھیں سکیڑتے ہوئے دیکھا۔

"کیا واقعی اس سے تمہاری تسلی ہو گی؟ آخر سپاہی ہو نا!" اس نے آخری لفظ اس طرح کہے جیسے اسے کوئی اور صفت سوجھ نہ سکی ہو۔ "اچھا تو مسٹر ولادمیر تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے نا؟"

"میں بہت سے لوگوں کے ساتھ جانا نہیں چاہتا۔" میں نے جواب دیا۔ اس وقت میری آنکھیں نیچی تھیں۔

"اچھا تو تمہیں تنہائی پسند ہے۔ ہر ایک آدمی اپنی مرضی پر عمل کرے۔" اس نے سرد آہ بھری "بلاف زروف تم جاؤ اور دیکھو کہ تم کیا کر سکتے ہو مجھے کل گھوڑا چاہیئے۔"

"روپیہ کہاں سے آئے گا؟" بوڑھی شہزادی نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔

"میں یہ روپیہ تم سے نہیں لوں گی۔ بلاف زروف مجھ پر اعتبار کرے گا۔" زنیدا نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا۔

"اعتبار۔ اعتبار۔" بوڑھی شہزادی بڑبڑائی اور پھر بلند آواز سے چلائی۔ "دنیاشکا!"

"اماں چلاتی کیوں ہو۔ یہ گھنٹی کس لئے لگا رکھی ہے۔" زنیدا نے تنبیہ کے لہجے میں کہا۔

"دنیاشکا ــــ" بوڑھی شہزادی پھر چلائی۔

بلاف زروف نے رخصت چاہی اور میں بھی اس کے ساتھ باہر آ گیا۔ زنیدا نے مجھے روکنے کی کوئی کوشش نہ کی۔

www.taemeernews.com

۱۴

دوسرے دن میں ذرا سویرے جاگا۔ میں نے درخت سے ایک چھڑی کاٹی اور قصبے کے صدر دروازے سے دور نکل گیا میں نے سوچا کہ ذرا باہر نکلوں اور اپنا رنج بھولنے کی کوشش کروں۔ یہ ایک نہایت خوشگوار دن تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی مگر گرمی زیادہ نہیں تھی۔ تازہ اور اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی ہوا چل رہی تھی اور کھلنڈرے پن کے ساتھ درختوں کے پتوں میں سرسرا رہی تھی۔ ہر چیز کو ہلا رہی تھی مگر کسی چیز کو الٹ پلٹ نہیں رہی تھی۔ میں دیر تک پہاڑیوں اور جنگلوں میں گھومتا رہا۔ میں خوش نہیں تھا کیونکہ میں جب باہر نکلا تھا تو میں نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ میں خود کو غم والم کے سپرد کردوں گا۔ لیکن شباب، حسین موسم، تازہ ہوا، تیز تیز چلنے کی مسرت، گھنے گھاس پر تنہائی میں آرام کرنے کی عشرت کا مجھ پر اثر ہوا اور اس کے ناقابل فراموش الفاظ اور اس کے بوسوں کی یاد میری روح میں سرایت کرگئی اور میں اس سوچ میں ڈوب گیا کہ زنیدا اس بات سے انکار نہیں کرسکتی کہ مجھ میں عزم وارادہ اور حوصلہ ہے۔

"وہ دوسروں پر مجھے ترجیح دیتی ہے۔ یہ ایک اچھی بات ہے۔ جب کہ دوسرے یہ باتیں کرتے ہیں کہ وہ کیا کریں گے میں کرکے دکھا دیتا ہوں۔ اور میں اس کے لیے کیا کچھ کرسکتا ہوں اس کا مقابلہ کسی بات سے نہیں کیا جاسکتا۔"

میں اپنے خیالات کو طول دیتا چلا گیا اور میں تصور ہی تصور میں اُسے دشمنوں سے بچانے لگا۔ خود کو سرتاپا لہو میں نہایا ہوا دیکھنے لگا۔ اس کو کسی تہہ خانے سے نکالتا اور اس کے قدموں پر

www.taemeernews.com

دم توڑتا ہوا دکھنے لگا۔ مجھے وہ تصویر یاد آئی جس میں مائیک ایڈل اپنے گھوڑے پر مسلاڈا کو بٹھا کر لے جا رہا ہے۔ یہ تصویر ہمارے گھر کی نشست گاہ کی دیوار پر ٹنگی ہوئی ہے اور پھر میں نے درختوں کی شاخوں میں بھی جو رنج والے ایک پرندے کو دیکھا جو شاخوں میں سے بڑی گھبراہٹ اور تشویش کے ساتھ جھانک رہا تھا جیسے کوئی سازندہ اپنے ساز کے پیچھے بیٹھا ہو۔

میں نے "سفید برف نہیں تھی" نام کا گیت گایا اور پھر اس وقت کی مقبول رزمیہ نظم گائی "ہوا اٹکھیلیاں کر رہی ہے اور میں تمہارا منتظر ہوں!" پھر میں نے چاموکوف کے المیہ ڈرامے میں سے پارموک کی تقریر کا آغاز کر دیا جو اس نے آسمان سے مخاطب ہو کر کی تھی۔ میں نے اس جذباتی رو میں خود بھی کچھ ایجاد کرنے کی کوشش کی اور ایک نظم لکھنے کی جسارت کی جس کا آخری مصرع یوں تھا "او زنیدا۔ او زنیدا!" لیکن ایک بھی شعر موزوں نہ ہو سکا۔ اب دوپہر کے کھانے کا وقت ہو رہا تھا۔ میں اتر کر وادی کی طرف بڑھا۔ ایک ریتیلی پگڈنڈی شہر کی طرف بل کھاتی ہوئی جا رہی تھی۔ جب میں اس پگڈنڈی پر چل رہا تھا تو مجھے ریت پر گھوڑوں کی کھوکھلی ٹاپیں سنائی دیں۔ میں غیر ارادی طور پر رک گیا اور سر سے ٹوپی اتار لی کیونکہ گھوڑوں پر میرے والد اور ان کے ساتھ زنیدا تھی۔ وہ پہلو بہ پہلو جا رہے تھے۔ زین پر جھک کر میرے والد اس سے کچھ کہہ رہے تھے اور ان کا ایک ہاتھ گھوڑے کی گردن پر تھا۔ میرے والد مسکرا رہے تھے۔ زنیدا خاموشی کے ساتھ ان کی بات سن رہی تھی، اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ پہلے تو میں نے صرف ان دونوں کو دیکھا پھر مجھے ان کے پیچھے بلاف زروف دکھائی دیا جو راستہ کے موڑ کی وجہ سے چھپا ہوا تھا۔ وہ ایک سیاہ اور چمکیلے گھوڑے پر سوار تھا اور رسالے کے افسر کی وردی میں ملبوس تھا۔ اس کا نفیس گھوڑا اپنا سر ہلا رہا تھا ہنہنا رہا تھا اور مچل رہا تھا اور اس کا سوار اس کے پہلوؤں میں اپنے گھٹنے دبا کر اسے آگے بڑھنے کی تلقین کر رہا تھا۔ میں راستے سے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ میرے والد لگام کھینچ کر زنیدا

www.taemeernews.com

سے ذرا الگ ہو گئے۔ زنیدا نے آہستگی کے ساتھ میری طرف نگاہ کی اور پھر وہ دلکی چال چلتے میرے قریب سے گذر گئے۔ بلاف زروف نے بھی اپنا گھوڑا سرپٹ ڈال دیا۔ اس کی تلوار کھنک رہی تھی۔ میں نے سوچا "وہ ایک سُرخ جھینگا مچھلی ہے۔ اور زنیدا۔ زنیدا اس قدر زرد کیوں ہے؟ صبح سے گھوڑے پر سوار ہے اور پھر بھی اس کا رنگ زرد ہے۔"

میں تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا گھر لوٹ آیا اور عین کھانے کے وقت پہنچ گیا۔ میرے والد پہلے ہی اپنے کپڑے تبدیل کر چکے تھے اور وہ تازہ دم ہو کر میری والدہ کے پہلو میں بیٹھے تھے اور انھیں کوئی رسالہ پڑھ کر سُنا رہے تھے۔ ان کی آواز میں ملائمت تھی۔ میری والدہ بے خیالی کے ساتھ سُن رہی تھیں۔ جونہی انھوں نے مجھے دیکھا تو مجھ سے پوچھا کہ میں اتنی دیر کہاں رہا ہوں۔ اور انھوں نے یہ بات بھی کہی کہ انھیں ایسے آدمیوں سے نفرت تھی جو نہ جانے کہاں کہاں گھومتے رہتے ہیں اور نہ جانے کس کس کے ساتھ ٹہلتے رہتے ہیں۔ میں یہ کہنے ہی والا تھا کہ میں تنہا سیر کے لئے گیا تھا مگر والد کی نگاہ نے مجھے ایسا کرنے سے باز رکھا۔

۱۵

اگلے پانچ روز تک میری زنیدا سے ملاقات نہ ہو سکی۔ وہ بیماری کا بہانہ کر رہی تھی لیکن اس بات نے مجھے منسلکہ عمارت میں جانے کے فریضہ کی ادائیگی سے روکا نہیں۔ سب لوگ وہاں جانے کو ایک فریضہ خیال کرتے تھے لیکن میدلف اس بات کا حامی نہیں تھا۔ میدلف ہمیشہ بددل اور افسردہ رہتا کیونکہ اس کے نزدیک جوش و مسرت کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی۔ بلاف زروف ایک گوشے میں دبکا رہتا اس کا چہرہ بدستور سُرخ ہوتا اور گلے پر سے اس کے کوٹ کے بٹن کھلے رہتے۔ کاؤنٹ ملافسکی کے چہرے کے گمبھیر خد و خال

www.taemeernews.com

پر ایک تبسم مسلسل جھلملاتا رہتا۔ زنیدا کی سمت سے اُسے بڑی زک اٹھانی پڑی تھی۔ اور اب وہ بوڑھی شہزادی سے زیادہ گھل مل کر بات چیت کرتا تھا اور وہ ایک روز بوڑھی شہزادی کو گھوڑا گاڑی میں گورنر جنرل کے یہاں بھی لے گیا تھا لیکن یہ دورہ ناکام رہا تھا اور وہ خود مالفسکی اس کے بعد ناخوش ہوا تھا۔ ڈاکٹر لوشن ایک دو مرتبہ وہاں آیا مگر زیادہ دیر نہ ٹھہرا۔ میں اس روز کی گفتگو کے بعد ڈاکٹر لوشن سے ڈرنے لگا تھا۔ میں اس کی طرف کھنچ گیا تھا۔ ایک دن تو وہ میرے ساتھ نیکوچینی باغ تک سیر کو بھی گیا۔ وہ اس دن بہت مہربان تھا اور مجھے مختلف پھولوں اور پودوں کے نام اور خصوصیات بتاتا رہا اور پھر دفعتاً اس نے ابرو سکیڑتے ہوئے مجھ سے کہا تھا۔ "میں اُسے صرف ایک بے باک عورت سمجھتا رہا۔ کتنا بے وقوف ہوں میں۔ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں جو اپنے آپ کی قربانی دے کر خوش ہوتے ہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ بات میں نے تمہارے سُننے کے لئے نہیں کی۔" لوشن نے گرم ہوتے ہوئے جواب دیا۔

زنیدا مجھ سے گریز کرتی تھی۔ میں اس بات کو دیکھے بغیر نہ رہ سکا کہ مجھے دیکھتے ہی وہ ناک بھوں چڑھانے لگتی ہے۔ وہ میری طرف سے مُنہ پھیر لیتی اور یہ بات میرے لئے اندوہناک تھی اور ناقابل برداشت بھی تھی۔ لیکن میں کیا کر سکتا تھا۔ میں اس کی نگاہوں سے دُور رہنے کی کوشش کرتا لیکن میں اس ارادے میں کامیاب نہ ہو پاتا۔ اس کے باطن میں کیا کچھ گذر رہا تھا وہ ابھی تک ناقابل فہم تھا۔ اس کی صورت بدل گئی تھی۔ اس کے تمام وجود میں کوئی تبدیلی آگئی تھی۔ ایک شام کو اس کی باطنی تبدیلی کی مجھے سمجھ آئی مگر بڑے جھٹکے کے ساتھ۔ میں ایک جھاڑی کی بنچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ جگہ مجھے بہت مرغوب تھی۔ یہاں سے مجھے زنیدا کی کھڑکی صاف دکھائی دیتی تھی جس وقت میں یہاں بیٹھا ہوا تھا تو ایک چھوٹا سا پرندہ میرے سر کے اوپر پتیوں پر پھدک رہا تھا۔ دوسرے پرندے بھی چہچہا رہے تھے۔ اندھیرا پھیل گیا تھا

www.taemeernews.com

ں وہاں اس انتظار میں تھا کہ کب زبیدا کی کھڑکی کھلتی ہے اور وہ مجھے نظر آتی ہے۔
ذ لمحوں کے بعد واقعی اس کی کھڑکی کھلی اور زبیدا نمودار ہوئی ہما نے سفید لباس پہن رکھا تھا
ر وہ خود اس کے کندھے . . س کا چہرہ ، اس کی پیشانی اس کے لباس کی طرح سفید تھی۔
ت دیر تک وہ بے حس و حرکت وہاں کھڑی رہی اور اپنے سکڑے ہوئے ابروؤں کے
ے سے اپنے سامنے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھوں کی زور سے مٹھی باندھی اور
دل دی اور اپنے بالوں کو اپنے کانوں کے پیچھے جھٹک دیا۔ اس نے اپنے سر کو جنبش
ی اور زور کے ساتھ کھڑکی بند کر دی۔

تین دنوں کے بعد باغ میں میری اس سے مڈبھیڑ ہوئی۔ میں مڑ کر ہٹنا چاہتا تھا
لیکن اس نے مجھے روک لیا۔

"لاؤ اپنا ہاتھ ادھر لاؤ" اس نے بڑے پیارے انداز میں کہا۔ "ہمیں ایک دوسرے
سے بات کئے ہوئے ایک مدت گزر چکی ہے" میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی
آنکھوں میں ایک نرم سی روشنی تھی اور وہ دھند میں مسکرا رہی تھی۔

"کیا تم ابھی تک بیمار ہو؟" میں نے پوچھا۔

"بیماری کب کی دور ہو چکی ہے" اس نے ایک چھوٹا سا گلاب توڑتے ہوئے
ما" میں ابھی تک بہت تھکی ہوئی ہوں لیکن یہ کیفیت بھی گذر جائے گی"

"اور کیا تم پہلے کی طرح بن سکو گی؟" میں نے پوچھا۔

زبیدا پھول کو اپنے چہرے تک لے گئی اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گلاب کی پتیاں
اس کے رخساروں پر اپنا عکس ڈال رہی تھیں۔

"کیوں۔ کیا میں بہت بدل گئی ہوں؟"

"ہاں ـــــ" میں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔

"یہ ٹھیک ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ بہت برا برتاؤ کیا ہے" زبیدا بولی
"لیکن تمہیں اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ میں مجبور تھی۔ لیکن اس
بارے میں باتیں کرنے سے فائدہ؟"

www.taemeernews.com

"تم نہیں چاہتیں کہ میں تمہیں پیار کروں۔ کیوں ہے نا یہی بات ؟" میں۔ وفورِ جذبات سے لرزتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے پیار کرو لیکن اس انداز میں نہیں جس میں تم آج تک مجھ سے محبت کرتے آئے ہو۔"

"پھر کیسے محبت کروں ؟"

"آؤ ہم ایک دوسرے کے دوست بن جائیں۔ بس اس طرح ایک دوسرے سے پیار کریں۔" زنیرا نے اپنا پھول سونگھنے کے لئے مجھے پیش کیا۔ "میں عمر میں تم سے اتنی بڑی ہوں کہ تمہاری چچی بن سکتی ہوں یا تمہاری بڑی بہن اور اگر تم چاہو تو۔۔۔۔"

"اچھا تو میں تمہارے نزدیک ایک بچہ ہوں۔"

"ہاں نہیں تو اور کیا ہو لیکن تم ایک پیارے اور ذہین بچے ہو جس سے میں بے پناہ محبت کرتی ہوں۔ اچھا ادھر آؤ میں تمہیں کچھ بتاؤں۔ میں آج سے تمہیں اپنا خدمت گار مقرر کرتی ہوں اور بھولنا نہیں ایک خدمت گار اپنی ملکہ کی ہمیشہ ہمراہی میں رہتا ہے۔ لو یہ رہا تمہارا تمغہ۔ تمہاری طرف نیک خواہشات کی ایک نشانی ۔۔۔"

"تم نیک خواہشات کی پہلے بھی بہت سی نشانیاں دے چکی ہو۔" میں بڑبڑایا۔

"اوہ ۔۔۔ تمہارا حافظہ کس قدر تیز ہے۔ خیر میں تمہیں ایک اور نشانی دیتی ہوں۔" اور مجھ پہ جھک کر اس نے میرے ابرو پہ ایک پُرسکون اور پاکیزہ بوسہ دیا۔

میں صرف اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ اس نے مڑتے ہوئے کہا۔ "میرا خدمتگار میرے ساتھ آئے۔" اتنا کہہ کر وہ منسلکہ عمارت کی طرف چل پڑی۔ میں حیرت کے عالم میں اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ "کیا ایسا ہو سکتا ہے۔" میں نے سوچا کہ یہ ذہین لڑکی وہی زنیرا ہے جس سے میری جان پہچان تھی۔ اب مجھے اس کا سراپا کس قدر پُرسکون معلوم ہو رہا ہے۔ اس کی شخصیت اب پہلے سے زیادہ بارعب ہے۔ مگر میرے خدا میں اس کے لئے

www.taemeernews.com

کس قدر تڑپ رہا ہوں۔

۱۶

کھانے کے بعد روز کے مہمان منسلکہ عمارت میں جمع ہوئے اور نوجوان شہزادی اپنے کمرے سے ان کے استقبال کے لئے باہر نکلی۔ وہ سب کے سب موجود تھے پہلی قابل فراموش شام کی طرح جتنی سے زماسکی بھی آ پہنچا تھا۔ آج سید نف سب سے پہلے آیا۔ وہ اپنے ہمراہ ایک نئی نظم لایا تھا۔ ہم نے آج بھی جرمانہ کا کھیل کھیلا لیکن آج کے کھیل میں وہ پہلا سا جوش و خروش اور شور و شغب نہیں تھا مہمانوں اس ہاؤ ہو سے خانہ بدوشوں کا سا عنصر غائب تھا۔ زنیدا نے اس دعوت کو ایک نیا رنگ دے دیا تھا۔ میں خدمت گار کی حیثیت سے اس کے پہلو میں بیٹھا تھا۔ دوسرے جرمانوں میں یہ جرمانہ بھی شامل کیا گیا کہ جو شخص سیاہ داغ والی پرچی نکالے گا اُسے بتانا ہوگا کہ اس نے کیا خواب دیکھا ہے۔ مگر اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا کیونکہ خواب جو بیان کئے گئے وہ نہایت بے کیف تھے (بلازروف نے یہ خواب دیکھا تھا کہ اس نے گھوڑے کو سنہری مچھلی کھلائی اور س نے دیکھا کہ اس کا سر لکڑی کا بنا ہوا ہے) یہ خواب نہایت ہی غیر قدرتی اور من گھڑت تھے۔ سید نف نے تو ہمیں پورا ناول سنا دیا جس میں جہازوں، فرشتوں، مذہبی گیتوں اور پھولوں کا ذکر آتا۔ زنیدا نے اسے ٹوک دیا۔ اس نے کہا: "اگر کچھ ایجاد ہی کرنا ہے تو کوئی ایسی بات سناؤ جو پہلے واقع نہ ہوئی ہو۔" اب بھی پہلی باری بلازروف کی تھی۔

www.taemeernews.com

رسالے کا نوجوان افسر چکرا گیا اور بولا "مجھے تو کچھ بھی نہیں سوجھ رہا۔"
"کیا حماقت ہے" زنیدا چلائی "تم یہی فرض کرلو کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ یا پھر ایسی ہی کوئی اور بات اور ہمیں بتاؤ کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ کیا سلوک کروگے۔ کیا تم اسے کمرے میں بند کرکے قفل لگا دوگے؟"
"بالکل۔ میں ایسا ہی کروں گا۔"
"لیکن کیا تم اس کے پاس بیٹھوگے؟"
"بالکل ——"
"اچھا فرض کرو کہ وہ اکتا جاتی ہے اور تمہیں دھوکا دیتی ہے؟"
"میں اُسے قتل کر دوں گا۔"
"اور اگر وہ دوڑ جاتی ہے؟"
"میں اس کا تعاقب کروں گا اور اس کا گلا گھونٹ دوں گا۔"
"اچھا تو اب یہ فرض کرو کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔ تم کیا کروگے؟"
بلاف زروف ایک لمحہ کے لئے خاموش رہا۔
"میں خودکشی کرلوں گا۔"
زنیدا زور سے ہنسی۔
"خیر تمہاری داستان زیادہ طویل نہیں ہوسکتی۔"
اب کے باری زنیدا کی تھی۔ اس نے سوچتے ہوئے چھت کی طرف دیکھا "سنو" اس نے آخر کار کہا "میں نے یہ کہانی گھڑی ہے۔ ایک حسین و جمیل محل کا تصور کرو۔ موسم گرما کی ایک رات ہے اور رقص ہو رہا ہے۔ نوجوان ملکہ اپنے مہمانوں کا خیر مقدم کر رہی ہے۔ ہر جگہ سونا، سنگ مرمر، بلور، ریشم، روشنیاں، ہیرے جواہرات، پھول، لوبان یعنی عشرت کا ہر سامان موجود ہے جس کی کوئی دلی تمنا کر سکتا ہے۔"
"تمہیں عشرت کا ساز و سامان بہت مرغوب ہے؟" ڈاکٹر لوشن نے

www.taemeernews.com

بات بیچ میں کاٹ دی۔

"عشرت کا سامان ٹھاٹ باٹ اور شکوہ وہیبت کو ظاہر کرتا ہے۔"

زنیدا نے طنز کرتے ہوئے کہا "اور مجھے شان وشوکت سے محبت ہے۔"

"حسن سے بھی زیادہ عزیز ہے؟"

"تم ذہین ہو۔ میں نہیں جانتی اس سے تمہارا کیا مطلب ہے۔ براہ کرم بات میں ٹوکو نہیں۔ ہاں تو وہ رقص نہایت ہی دلفریب ہے۔ بہت سے مہمان جمع ہیں۔ یہ مہمان سبھی جوان سال ہیں، خوبصورت ہیں، بہادر ہیں اور سبھی ملکہ پر سوجان سے فدا ہیں۔"

"مہمانوں میں کیا عورتیں نہیں ہیں؟" کاؤنٹ ملافسکی نے پوچھا۔

"نہیں۔ خیر مجھے دیکھنے دو۔ نہیں۔ کچھ عورتیں بھی ہیں۔"

"اور کیا وہ سب سیدھی سادی عورتیں ہیں؟"

"نہیں۔ بڑی حسین اور دلفریب۔ لیکن سبھی مرد ملکہ کی محبت میں مبتلا ہیں۔ ملکہ دراز قد اور چھریرے بدن کی ہے۔ اس نے اپنے بالوں میں ہیرے جواہرات پہن رکھے ہیں۔"

میں نے زنیدا کی طرف دیکھا اور اس وقت وہ مجھے سب سے بلند قامت معلوم ہوئی۔ اس کے سفید ماتھے پر اور سیدھے ابروؤں پر ذہانت کی مہر تھی اور میں نے سوچا "زنیدا تمہیں تو وہ شہزادی ہو۔"

"ہر مرد اس کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہے۔" زنیدا نے اپنی کہانی جاری رکھی "اور اس کی خوشامد کی جارہی ہے۔"

"اچھا تو اسے خوشامد بھی پسند ہے؟" ڈاکٹر لوشن نے پھر پوچھا۔

"تم درست نہیں ہوسکتے۔ تم ضرور ٹوکو گے۔ کون خوشامد پسند نہیں کرتا؟"

"بس میں ایک آخری سوال پوچھوں گا۔" کاؤنٹ ملافسکی نے التجا کی۔ "کیا ملکہ کا خاوند ہے؟"

www.taemeernews.com

"نہیں میں نے ابھی تک یہ نہیں سوچا تھا۔ خیر اس کا خاوند نہیں بھلا وہ کیا کرے گی؟"

"ٹھیک کہتی ہو۔" کاؤنٹ ملافسکی نے کہا۔ "خاوند کی بھلا اُسے کیوں ضرورت ہونے لگی۔"

"چُپ رہو۔" میدلف چلایا۔

"ملکہ بیٹھی ہوئی ہر ایک کی بات اور موسیقی سُن رہی ہے اور وہ اپنے کسی مہمان کی طرف نہیں دیکھ رہی۔" زنیدا بولی۔ "چھت سے فرش تک چھ بہت بڑی کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں اور کھڑکیوں کے پرے تاریک آسمان ہے اور آسمان پر لاکھوں تارے جھلملا رہے ہیں اور ایک پارک ہے جس میں گھنے درخت ہیں۔ ملکہ پارک کی طرف دیکھتی ہے۔ گھنے درختوں میں ایک فوارہ ہے سفید بھوت کی طرح۔ ملکہ شور و شغب میں سے پانی کے چھڑکاؤ کی آواز سُن رہی ہے۔ کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے وہ اپنے آپ سے کہتی ہے: "حضرات آپ امرا میں سے ہیں، دانشمند ہیں، دولت مند ہیں، آپ میرے گرد حلقہ باندھے رہتے ہیں۔ میں جو لفظ بھی منہ سے نکالتی ہوں آپ اس سے حظ اٹھاتے ہیں۔ آپ میں سے ہر ایک میرے قدموں پہ اپنی جان نچھاور کرنے کو تیار ہے۔ آپ سب میری مٹھی میں ہیں۔۔۔۔ لیکن اس فوارے کے قریب پانی کی موجزنی کے قریب وہ نوجوان ہے جس سے مجھے محبت ہے۔ اس کا لباس بیش بہا نہیں۔ اس کے پاس ہیرے جواہرات نہیں۔ کوئی اسے جانتا بھی نہیں لیکن وہ میرا منتظر ہے اور اسے معلوم ہے کہ میں اس کے پاس ضرور جاؤں گی اور میں جاؤں گی ضرور۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے روک نہیں سکتی۔ میں اس کے قریب جاؤں گی۔ اس کے پاس رہوں گی۔ اس کے ساتھ وہاں گم ہو جاؤں گی۔ تاریکی میں اس پارک میں جہاں درختوں کے پتے سرسرا رہے ہیں۔ اور فوارہ کا پانی موجزن ہے۔"

www.taemeernews.com

یہاں پہنچ کر زنیدا رک گئی۔

"کیا یہ ایجاد ہے ـــــ خالص ایجاد؟" ملافسکی نے تضحیک آمیز انداز میں پوچھا۔

زنیدا نے نگاہ اوپر اٹھانے کی جسارت نہ کی۔

"میں اس بات پر حیران ہوں کہ حضرات اگر ہم وہاں ہوتے تو ہم نے کیا کیا ہوتا؟" دفعتاً ڈاکٹر لوشن نے پوچھا "یعنی اگر ہم وہاں مہمانوں میں شامل ہوتے اور فوارے کے قریب کھڑے ہوئے نوجوان کو جانتے ہوتے تو ہم نے حضرات کیا کیا ہوتا؟"

"ٹھہرو۔ ذرا ٹھہرو" زنیدا بولی "میں تمہیں خود بتاتی ہوں کہ تم میں سے ہر ایک نے اس وقت کیا کیا ہوتا۔ بلاف زروف تم نے اس کو للکارا ہوتا اور بیدنف تم نے اس کے بارے میں ہجو لکھی ہوتی، نہیں نہیں تم ہجو نہیں لکھ سکتے۔ تم نے ایک طویل نظم لکھی ہوتی۔ باربیر کے انداز میں اور کسی رسالے میں چھپوادی ہوتی اور نرماسکی تم نے اس سے روپیہ قرض لیا ہوتا۔ نہیں نہیں تم نے بھاری سود پر اسے روپیہ قرض دیا ہوتا۔ اور ڈاکٹر تم" وہ ایک لمحہ کے لئے رک گی "میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ تم نے کیا کیا ہوتا!"

"درباری ڈاکٹر کی حیثیت سے میں نے" ڈاکٹر لوشن بولا "ملکہ کو یہ مشورہ دیا ہوتا کہ اسے ایسے وقت میں رقص کی دعوت نہیں دینی چاہیئے جب وہ خود لفریح کے موڈ میں نہ ہو"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔ اور کاؤنٹ ملافسکی تم نے کیا کیا ہوتا؟"

"میں نے ـــــ" کاؤنٹ زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"تم نے اسے زہریلی مٹھائی دی ہوتی" زنیدا بولی۔

کاؤنٹ ملافسکی نے اپنی آنکھ جھپکی اور پھر دوسرے لمحہ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"اور تم مسٹر ولادمیر" زنیدا نے بات جاری رکھی "میرا خیال ہے کہ

www.taemeernews.com

بس کریں۔ کوئی اور کھیل کھیلیں۔"

کاؤنٹ ملافسکی نے کہا۔" مسٹر ولادمیر نے وفادار خدمتگار کی طرح پارک کی طرف دوڑتی ہوئی ملکہ کی عبا تھامے ہوتی۔"

شرم کے مارے میرے گال تمتما اٹھے لیکن زنیدا نے اٹھتے ہوئے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔" میں نے تمہیں کسی کا مذاق اڑانے کی کبھی اجازت نہیں دی کاؤنٹ! اس لئے میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ تم میرے گھر سے نکل جاؤ۔" زنیدا نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"شہزادی کیا تم واقعی سنجیدہ ہو؟" کاؤنٹ نے پوچھا۔

"شہزادی ٹھیک کہتی ہے" بلاف زروف نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔ مجھے اس بات کا خیال بھی نہیں کہ میرے لفظوں میں کوئی بات ہے۔ میں نے کسی کو ناراض کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں معذرت چاہتا ہوں۔"

زنیدا نے اس کی طرف سرد نگاہ ڈالی اور پھر ہنسی۔" اگر تم یہاں رہنا چاہو تو رہ سکتے ہو۔" اور پھر اس نے لاپروائی کے ساتھ کہا۔" میں نے اور مسٹر ولادمیر نے مشتعل ہو کر غلطی کی ہے۔ تمہارا کام ہی ڈنک مارنا ہے اور اپنا کام کئے جاؤ۔"

"میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔" کاؤنٹ ملافسکی نے کہا۔ پھر اس کی خشمگیں نگاہ کو یاد کرتے ہوئے میں نے سوچا کہ کسی حقیقی ملکہ نے بھی زنیدا کی طرح اپنے کسی دشمن کو اس طرح انگلی کے اشارہ سے دروازہ نہ دکھایا ہوتا۔

جرمانہ کا کھیل اس واقعہ کے بعد دیر تک نہ چل سکا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر کسمسا رہا تھا۔ اس حادثہ کی وجہ سے نہیں جو ابھی ابھی گذرا تھا ناقابل بیان جذبہ کی وجہ سے۔ کوئی بھی اس کا ذکر نہیں کر رہا تھا لیکن ہر شخص اس جذبہ سے آگاہ تھا اور یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے پڑوسی کی رگوں میں بھی یہی جذبہ شعلہ بار ہے۔ میدلف نے اپنی نظم سنائی اور کاؤنٹ ملافسکی نے اس نظم کی مبالغہ آمیز

www.taemeernews.com

تعزیت کی۔

ڈاکٹر لوشن نے میرے کان میں کہا "اب وہ اپنی نیک طبعی کا مظاہرہ کرنے کے لئے کس قدر بے تاب ہے۔"

جلد ہی ہم سب اپنے اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔ زبیدا دفعتاً سوچ میں غرق ہو گئی تھی اور اس کی والدہ نے پیغام بھیجا تھا کہ اس کے سر میں درد ہے۔ نرما سکی نے اپنے گنٹھیے کی شکایت کی۔

میں اس رات کو دیر تک نہ سو سکا۔ زبیدا کی کہانی نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔ "کیا اس کی کہانی میں کوئی اشارہ موجود تھا" میں نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ "اگر تھا تو وہ اشارہ کیا تھا اور کس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اور پھر اگر اس میں صداقت تھی تو اس نے ہرگز ہرگز یہ جرأت نہ کی ہوتی ..... نہیں نہیں غیر ممکن ہے۔" میں نے مسلسل کروٹ بدلتے ہوئے سرگوشی کی میرے گال اس وقت جل رہے تھے ..... پھر مجھے زبیدا کے چہرے کے آثار یاد آئے جب وہ کہانی بیان کر رہی تھی۔ پھر مجھے نیکوچینی باغ میں ڈاکٹر لوشن کے وہ جملے یاد آئے۔ مجھ سے اس کے برتاؤ میں جو یک بیک تبدیلی آگئی تھی میں نے اُسے بھی یاد کیا۔ میں سوچتے سوچتے تھک گیا۔

"آخر وہ کون ہے؟" یہ الفاظ بار بار میری آنکھوں کے سامنے آجاتے تھے جیسے وہ الفاظ تاریکی میں آگ کے ساتھ نقش ہوں۔ میرے ذہن پہ بادل سے چھا رہے تھے اور مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ یہ بادل ابھی برسنے لگیں گے۔ میں پچھلے دنوں میں بہت سی باتوں کا عادی ہو گیا تھا۔ میں نے ذرا سے کنبہ کے یہاں بہت سی باتیں دیکھی تھیں۔ بدنظمی، موم بتی کے ٹکڑے، ٹوٹی ہوئی چھریاں اور کانٹے، اداس رومانی فیڈی، پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس خادمہ، بڑھی شہزادی کے عجیب وغریب طور و اطوار۔ یہ سب باتیں مجھے اس مجہول گھرانے میں حیران کرنے کے لئے کافی تھیں ..... میں زبیدا کو ایک مہم باز عورت سمجھنے لگا تھا۔

www.taemeernews.com

لیکن میں اس کا خوگر نہیں ہو رہا تھا۔ میری والدہ نے زنیدا کو ایک مہم باز عورت ہی تو کہا تھا۔ میں جس کی پرستش کرتا تھا وہ ایک مہم باز عورت کیونکر ہو سکتی تھی۔ یہ لفظ مجھے ڈس رہا تھا۔ میں اس لفظ سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں تکیہ میں اپنا منہ چھپا رہا تھا۔ میں نے اس فوارہ کا مرد بننے کے لیے کیا کچھ نہ قربان کر دیا ہوتا۔

میری رگوں میں لہو پگھلوں کی طرح دوڑ رہا تھا۔ "پارک، فوارہ"۔ میں سوچ رہا تھا "فرض کرو کہ میں پارک میں جاتا ہوں"۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے کپڑے تبدیل کیے اور باہر نکل گیا۔ وہ رات بہت تاریک تھی۔ درخت آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ آسمان سے خنکی برس رہی تھی۔ ترکاریوں والے باغ سے مہک آ رہی تھی۔ میں نے ہر ایک روش کا چکر لگایا۔ میرے اپنے قدموں کی آواز مجھے خوفزدہ بھی کر رہی تھی اور مزہ بھی دے رہی تھی۔ میں اپنے دل کی دھڑکن سننے کے لیے رک جاتا۔ دل تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ آخر کار میں باڑھ کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور اس پر جھک گیا۔ دفعتاً میرے قریب سے ایک عورت گذر گئی۔ شاید یہ میرا واہمہ تھا۔ میں نے تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ میں نے اپنی سانس روک لی۔ یہ کون تھا؟ کیا یہ میرے قدموں کی آواز تھی یا میرا دل پھر زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ "کون ہے؟" میں نے زور سے آواز دی۔ ایک دفعہ پھر دبی دبی ہنسی سنائی دی۔ کہیں درختوں کی شاخیں تو نہیں سرسرا رہی تھیں؟ کسی نے میرے کان کے بالکل قریب سرد آہ تو نہیں بھری۔ مجھے خوف محسوس ہونے لگا "کون ہے؟" میں پھر پکارا۔

ایک لمحہ کے لیے ہلکی ہلکی ہوا چلنے لگی۔ آسمان پر ایک تارا ٹوٹا۔ "زنیدا کیا تم ہو؟" میں نے پوچھنا چاہا لیکن لفظوں نے میرے ہونٹوں تک آتے آتے دم توڑ دیا۔ اور پھر چاروں طرف جیسا کہ آدھی رات کو اکثر ہوتا ہے سکوت مسلط ہو گیا۔ ٹڈیوں نے بھی شور مچانا بند کر دیا۔ دور کہیں کھڑکی کے بند ہونے کی

www.taemeernews.com

آواز آئی۔ میں کچھ دیر تک وہیں کھڑا رہا۔ اور پھر اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ بستر برف کی طرح یخ ہو رہا تھا۔ میں ایک عجیب قسم کی بے کلی محسوس کر رہا تھا۔ میں کسی کو ڈھونڈنے نکلا تھا مگر میں نے خود کو تنہا پایا تھا۔ اور شاید میں کسی کی مسرت میں خلل انداز ہوا تھا۔

۱۷

دوسرے دن میں زلیخا کی بس ایک جھلک ہی دیکھ سکا جب وہ اپنی والدہ کے ہمراہ ایک گاڑی میں جا رہی تھی میری ملاقات ڈاکٹر لوشن سے ضرور ہوئی جس نے نہایت مختصر علیک سلیک سے کام لیا اور پھر میں ملافسکی سے ملا۔ نوجوان کاؤنٹ میری طرف دیکھ کر مسکرایا اور اس نے مجھ سے دوستانہ لہجہ میں بات کی۔ جو لوگ منسکہ عمارت میں آتے تھے ان میں سے صرف یہ کاؤنٹ ملافسکی ہی تھا جو ہمارے گھر آنے میں کامیاب ہوا تھا اور میری والدہ کی خوشنودی حاصل کر سکا تھا۔ میرے والد اس کی طرف ملتفت نہ ہوئے اور ہمیشہ اس سے توہین آمیز شائستگی کے ساتھ بات کرتے۔

"اوہ خدمت گار صاحب۔ تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ تمہاری خوبصورت مالکہ ان دنوں کیا کر رہی ہے؟"

اس کا حسن اور صحت مند چہرہ اس وقت مجھے اتنا قابل نفرت معلوم ہوا اور اسکی نگاہ اتنی توہین آمیز معلوم ہوئی کہ میں نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کیوں ابھی تک مجھ سے ناراض ہو!" اس نے سلسلہ

www.taemeernews.com

کلام جاری رکھا "تمہیں مجھ سے ناراض نہیں ہونا چاہیئے۔ دراصل خدمت گار کے نام سے میں تمہیں نہیں بلاتا۔ خدمت گار تو دراصل ملکہ رکھا کرتی ہے لیکن مجھے اتنا کہنے کی اجازت دیجئے کہ آج کل تم اپنے فرائض سے کوتاہی کر رہے ہو۔"

"میرے فرائض؟"

"ہاں۔ ایک خدمتگار کو اپنی ملکہ کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ ملکہ کے خدمتگار کو ہر وقت یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ ملکہ کی حرکات پر اس کی نظر ہونی چاہیئے۔ رات کو بھی اور دن کو بھی۔"

"اس سے آخر تمہارا مطلب کیا ہے؟"

"مطلب۔ میرا خیال ہے کہ مطلب صاف ہے۔ رات کو بھی اور دن کو بھی۔ دن اتنا اہم نہیں۔ دن کو روشنی ہوتی ہے اور دن کو بہت سے لوگ اِدھر اُدھر منڈلاتے رہتے ہیں۔ میں تمہیں یہ مشورہ دوں گا کہ رات کو جاگتے رہا کرو اور نگرانی کیا کرو۔ اپنا پورا زور لگا کر نگرانی کیا کرو۔ کیا تمہیں یاد ہے۔ رات، پارک، فوارہ تمہیں وہیں جا کر پہرہ دینا چاہیئے اور پھر تم ایک دن میرا شکریہ ادا کرو گے۔"

ملا فسکی ہنسا اور میری طرف پیٹھ موڑ کر چل دیا۔ عین ممکن تھا کہ اس نے اپنے الفاظ کو زیادہ اہمیت نہ دی ہو۔ کیونکہ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اول درجہ کا ریاکار ہے اور لوگوں کو خوب بناتا ہے اور ریاکاری اس کی فطرت ثانی بن چکی ہے۔ وہ شاید مجھے چھیڑ رہا تھا مگر اس کا ہر لفظ میری رگوں میں زہر کی ایک بوند تھا۔ میرے سر میں دوران خون تیز ہو گیا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا۔ "اچھا تو یہ بات ہے۔ میں یونہی پارک کی طرف نہیں کھنچ گیا تھا۔ بہرحال میں اس کی ذرہ بھر پروا نہیں کرتا۔" میں نے اپنے سینے کو مسلتے ہوئے کہا۔ میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا وہ میں کہہ نہیں پاتا تھا۔ خود میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کس کی ذرہ بھر پروا نہیں تھی۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے خود ملا فسکی پارک میں مل جائے" (ہو سکتا ہے اس نے اپنا راز اگل دیا ہو۔ اس سے اس قسم کی توقع تو کی جا سکتی ہے)

www.taemeernews.com

"یا کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔" (ہمارے باغ کی باڑھ ذرا نیچی ہے اس پر سے کود کے پارک میں جانا کوئی مشکل نہیں) "بہر حال چاہے کوئی بھی ہو اس کو ذرا سنبھل کے آنا چاہیئے۔ اس کا مقابلہ مجھ سے ہوگا اور میں دنیا کو دکھا دوں گا اور زنیرا پر بھی ثابت کر دوں گا (دغا باز کہیں کی) کہ مجھے انتقام لینا آتا ہے۔"

میں اپنے کمرے میں واپس چلا آیا اور میں نے اپنی میز کی دراز سے برطانیہ کا بنا ہوا چاقو نکالا جو میں نے چند روز ہوئے خریدا تھا۔ اس کی دھار کو محسوس کیا اور اپنے ابروؤں پر بل ڈال کے اور مضبوط عزم کے ساتھ جیسے میں ابتدا سے ایسی باتوں کا عادی ہوں۔ میں نے چاقو اپنی جیب میں ڈال لیا۔ میرا دل غصے میں دھڑک رہا تھا۔ اور پھر جیسے وہ پتھر بن گیا۔ میں سارا دن ماتھے پہ تیوری چڑھائے گھومتا رہا۔ میرے ہونٹ زور سے بھنچے ہوئے تھے اور میں بار بار چاقو کو اپنی مٹھی میں دباتا تھا اور چاقو میری جیب میں پڑا پڑا گرم ہو گیا۔ یہ ہیجان میرے لئے بالکل نیا تھا اور اُسے پہلے میں نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ میں اپنے اس ہیجان سے حظ اٹھا رہا تھا۔ اور زنیرا کے بارے میں بالکل نہیں سوچ رہا تھا۔ بار بار میرے سامنے آلائیکو اور نوجوان خانہ بدوش کی تصویر گھوم جاتی تھی۔ "میاں نوجوان کہاں جا رہے ہو؟" "یہاں لیٹ جاؤ" اور پھر "تم تو خون میں لت پت ہو۔" "آہ یہ تم نے کیا کر دیا؟" "کچھ بھی نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کہانی کا جملہ ادا کیا "کچھ بھی تو نہیں کیا۔" میرے والد گھر پر نہیں تھے لیکن میری والدہ نے جو ان دنوں مستقل طور پر ہمارے ہاں رہتی تھیں میری سنجیدگی کو بھانپ لیا اور رات کے کھانے پر مجھ سے دریافت کیا "تم آج بلی کی طرح دکھائی دے رہے ہو جو چوہے کی تاک میں ہو۔ کہو کیا بات ہے؟"

میں جواب میں صرف مسکرا دیا اور سوچنے لگا "کاش وہ جانتی ہوتیں۔" کلاک نے گیارہ بجائے۔ میں اپنے کمرے میں لوٹ آیا مگر میں نے اپنا لباس نہ تبدیل کیا۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ کلاک بارہ بجائے اور میں پارک پہنچوں۔ میں دانت بھینچے ہوئے

www.taemeernews.com

سرگوشی کرنے لگا۔ "ہاں اب" اور باغ کی طرف لپکا۔ میں نے اتنی احتیاط سے کام لیا کہ کوٹ کے بٹن بند کئے اور اپنی آستین چڑھالی۔

میں نے پارک میں پہلے ہی ایک جگہ چن لی تھی جہاں بیٹھ کر میں نگرانی کرنا چاہتا تھا۔ باغ کے عین کونے میں جہاں باڑھ ہمارے مکان اور زیدا کے مکان کو تقسیم کرتی تھی۔ وہاں صنوبر کا ایک درخت تھا میں اس کی نیچی جھکی ہوئی شاخوں میں جگہ بنا کر ڈٹ گیا۔ جہاں تک رات کی تاریکی اجازت دیتی تھی مجھے اپنا گردو پیش صاف دکھائی دے رہا تھا۔ یہاں ایک چھوٹا سا راستہ تھا جو مجھے ہمیشہ پُراسرار معلوم ہوا تھا۔ یہ راستہ سانپ کے بل کی طرح باڑھ کے نیچے سے مڑتا تھا اور اس خاص مقام پر ان لوگوں کے قدموں سے کچلا ہوا تھا جو باڑھ کے اوپر سے کود تے تھے اور پھر یہ راستہ ببول کے پیڑوں میں گم ہو جاتا تھا۔ میں صنوبر کے پیڑ کے تنے سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور پہرہ دینا شروع کر دیا۔ رات تاریک تھی لیکن مطلع ابر آلود نہیں تھا۔ جھاڑیوں اور پھولوں کے ہیولے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ انتظار کے پہلے چند منٹ بہت اُکتا دینے والے تھے۔ میں ہر بات کے لئے آمادہ تھا۔ اور ابھی تک میں نے اس طریقۂ کار پر بھی غور نہیں کیا تھا جس پر مجھے عمل کرنا تھا "کہاں جا رہے ہو۔ رک جاؤ۔ اعتراف کرو نہیں تو مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ!" یا پھر میں اندھیرے میں چاقو اس کی پیٹھ میں اُتار دوں۔ ہر آواز، ہر سرسراہٹ اور پھڑپھڑاہٹ مجھے خلاف معمول معلوم ہو رہی تھی۔ میں آگے جھک کر اپنے دشمن پر کود پڑنے کے لئے تیار تھا۔ آدھ گھنٹہ گذر گیا اور پھر ایک گھنٹہ بیت گیا۔ میرے اشتعال پر اوس پڑ گئی۔ میں پہلے سے زیادہ پُرسکون ہو گیا اور مجھے یہ خیال آیا کہ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں وہ بے سود ہے۔ میں نے اپنا آپ مذاق اڑایا ہے۔ ملاقسلی تو مجھے چھیڑ رہا تھا۔ میں جس جگہ گھات لگائے کھڑا تھا وہاں سے نکل آیا اور میں نے باغ کا ایک چکر کاٹا۔ باغ میں چاروں طرف سکوت طاری تھا حتیٰ کہ ہمارے گھر کا کتا بھی سو رہا تھا اور باغ کے پھاٹک پر گھڑی بنا ہوا تھا۔ میں پود گھر کی دیوار پر

www.taemeernews.com

چڑھ گیا اور دور کھیتوں کی طرف دیکھنے لگا اور پھر مجھے یہیں اس دیوار کے اوپر زبیدا سے اپنی ملاقات یاد آئی اور میں پیاری پیاری یادوں میں کھو گیا۔ دفعتاً میں چونکا مجھے ایسا خیال ہوا کہ دروازہ کھلنے کی چرچراہٹ میں نے سُنی ہے اور پھر شاخوں کے ہٹائے جانے کی آواز آئی۔ میں دوہی چھلانگوں میں زمین پر آ رہا اور وہیں جم کر رہ گیا۔ تیز تیز اور ہلکے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ یہ قدم میرے قریب آ رہے تھے "آخر کار وہ موقع ہاتھ آ ہی گیا۔" میرے ذہن میں یہ خیال گذرا۔ میں نے اپنی جیب میں سے چاقو نکال لیا۔ میری آنکھوں کے سامنے سرخ شعلے ناچ رہے تھے اور خوف اور غصے سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ قدم وہیں پہنچ رہے تھے جہاں میں کھڑا تھا۔ میں ڈرا سمٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک مرد کی صورت نمودار ہوئی۔ اوہ میرے خدا! یہ میرے والد تھے۔ میں نے انھیں فوراً پہچان لیا اگرچہ وہ گہرے رنگ کا چغہ پہنے ہوئے تھے اور انھوں نے اپنی ٹوپی اپنے ابروؤں تک کھینچ رکھی تھی۔ وہ دبے پاؤں میرے قریب سے گذر گئے۔ میں بالکل سامنے کھڑا تھا لیکن انھوں نے مجھے دیکھا نہیں۔ کیونکہ میں اس قدر سمٹ گیا تھا کہ میں زمین ہی کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔ ایک ہی لمحہ میں خوں آشام اور حاسد او تھیلو سکول کے ایک طالب علم میں تبدیل ہو گیا۔ یک بیک اپنے والد کے نمودار ہونے سے میں اتنا خوف زدہ ہو گیا تھا کہ میں یہ بھی معلوم نہ کر سکا کہ وہ کہاں سے آ رہے تھے اور کس سمت میں وہ غائب ہو گئے تھے۔ جب چاروں طرف سکوت چھا گیا او میں نے اپنے بدن کو ذرا ڈھیلا چھوڑا تو اس وقت میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ اتنی رات گئے میرے والد باغ میں کیا کر رہے تھے لیکن میں نے خوف کے عالم میں چاقو زمین پر گرا دیا تھا اور اب اسے اٹھانے پر مجھے ندامت محسوس ہو رہی تھی۔ میں فوراً ہی سر دبا کر بیٹھ گیا تھا۔ گھر لوٹتے ہوئے میں جھاڑیوں میں اپنی مرغوب بنچ پر بیٹھ گیا اور میں نے زبیدا کی کھڑکی کی طرف دیکھا۔ اس کھڑکی میں نیلے آسمان سے برسنے والی روشنی پیدا تھی۔ دھیمی اور نیلی۔ دفعتاً کھڑکیوں کے

www.taemeernews.com

شیشے کا رنگ تبدیل ہو گیا اور پھر میں نے صاف طور پر دیکھا کہ ان شیشوں کے پیچھے کوئی رنگ دار پردہ لٹکا دیا گیا۔

"ان سب باتوں کا آخر مطلب کیا ہے؟" میں نے اپنے کمرے میں واپس آکر غیر ارادی طور پر اپنے آپ سے بلند آواز میں کہا "یہ ایک خواب تھا کہ محض ایک اتفاقی حادثہ!" اب میرے ذہن میں جو شکوک پیدا ہوئے وہ بالکل نئے تھے اور انوکھے تھے۔ اور میں انھیں تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

۱۸

دوسرے دن جب میں بیدار ہوا تو میرے سر میں درد تھا۔ کل رات کی ہیجان انگیزی رفع ہو چکی تھی۔ اب ان کی جگہ اندوہناک حیرت اور مخمصہ نے لے لی تھی۔ ایسی افسردگی میں نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی جیسے کوئی چیز میرے اندر مر چکی تھی۔

اس دن جب میری ملاقات ڈاکٹر لوشن سے ہوئی تو اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا "تم تو ایسا خرگوش معلوم ہوتے ہو جس کا مغز نکال لیا گیا ہو۔"

ناشتہ کے وقت میں نے اپنے والد اور اپنی والدہ کی طرف چوری چھپے دیکھا۔ میرے والد حسب معمول پرسکون تھے۔ شاید وہ اپنی ہیجان انگیزی کو چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مجھے توقع تھی کہ میرے والد مجھ سے کوئی پیار بھرا جملہ کہیں گے جیسا کہ ان کی عادت تھی لیکن آج انھوں نے ایسا کوئی جملہ نہ کہا۔ "کیا میں زنیدا کو سب کچھ بتا دوں؟" میں سوچ

www.taemeernews.com

رہا تھا "اب مجھے کیا پروا ہے۔ ہم دونوں میں جو رشتہ تھا وہ ختم ہو چکا ہے۔"
میں اس کے یہاں گیا لیکن نہ صرف میں خاموش رہا اور اس سے کچھ نہ کہہ سکا
بلکہ مناسب ڈھنگ سے بات بھی نہ کر سکا۔ بوڑھی شہزادی کا بارہ سال کا
بیٹا جو فوج میں زیر تربیت افسر تھا پیٹرزبرگ سے چھٹیاں گذارنے کے لئے
گھر آیا ہوا تھا۔ زنیدا نے فوراً اپنے بھائی کو میری نگرانی میں دے دیا۔ "پیارے
ولوڈیا یہ تمہارے ساتھی ہیں" (آج تک اس نے مجھے اتنے پیار سے اندر
میں کبھی نہیں بلایا تھا) زنیدا بولی "اس کا نام بھی ولوڈیا ہے۔ مجھے امید
ہے کہ تم اسے پسند کرو گے۔ یہ ایک شرمیلا لڑکا ہے لیکن دل کا بہت اچھا
ہے۔ جاؤ اسے نکوچنی باغ دکھا لاؤ۔ اس کے ساتھ سیر کرو اور اس کا خیال
رکھو۔ کیا رکھو گے نا؟ تم خود ایک نرم دل لڑکے ہو" اس نے پیار سے
اپنے ہاتھ میرے کندھوں پر رکھ دیئے۔ اور میں ایک دفعہ پھر اس پر فدا ہو گیا۔
اس لڑکے کی آمد نے مجھے پھر ایک لڑکا بنا دیا۔ میں نے اس کی طرف خاموشی
کے ساتھ دیکھا اور اس نے بھی خاموشی میں مجھ پر نگاہ دوڑائی۔ زنیدا زور سے ہنس
پڑی۔ اور ہم دونوں کو اس نے ایک دوسرے کے قریب دھکیل دیا۔ "چلو دونوں
بغل گیر ہو جاؤ" ہم نے اس کے حکم کی اطاعت کی۔

"کیا پارک دیکھنے چلو گے؟" میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

"چلئے جناب" اس نے واقعی ننھے فوجی کی طرح بیٹھی ہوئی آواز میں
کہا۔ زنیدا پھر زور سے ہنسی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی رنگت پہلے اس قدر کبھی
حسین نہیں تھی جتنی کہ اب تھی۔ میں ننھے فوجی کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ ہمارے
باغ میں ایک پرانا جھولا تھا۔ وہ دبیز کپڑے کی نئی وردی میں بے حس و
حرکت بیٹھا رہا۔ اس کی وردی پر سنہری دھاریاں تھیں اور وہ جھولے
کی رسیاں مضبوطی سے تھامے بیٹھا تھا۔

"تم اپنا کالر کھول کیوں نہیں لیتے؟" میں نے پوچھا۔

www.taemeernews.com

"مگر میں اس کا عادی ہوں" اس نے اپنا حلق صاف کرتے ہوئے کہا۔ وہ بالکل اپنی بہن کی طرح تھا۔ وہی آنکھیں تھیں جو مجھے اس کی آنکھیں یاد دلا رہی تھیں۔ میں اس کی طرف دیکھ کر خوش ہو رہا تھا مگر بڑا انا غم میرے دل کو زنگ کی طرح چاٹ رہا تھا۔ "آج میں ایک بچہ ہوں۔ محض ایک بچہ۔ اور کل ہاں کل ہی کی بات ہے" میں نے اپنے آپ سے کہا۔ اور پھر مجھے وہ جگہ یاد آگئی جہاں میں نے اپنا چاقو گرایا تھا۔ میں چاقو ڈھونڈنے کے لئے وہاں گیا میں نے اسے وہیں پایا اور ننھے فوجی نے وہ چاقو مجھ سے مانگ لیا۔ اس نے پیڑ کی ایک شاخ کاٹی اور اس کی ایک سیٹی بنائی اور اسے بجانے لگا۔ اور کھیلو بھی سیٹی بجایا کرتا تھا۔

لیکن شام کو اور کھیلو زار و قطار رویا اور وہ بھی زبیدہ کے بازوؤں میں کیونکہ وہ باغ کے ایک گوشہ میں بیٹھا تھا کہ زبیدہ آگئی اور اس نے پوچھا کہ وہ اداس کیوں ہے۔ اس کا یہ پوچھنا تھا کہ میری آنکھوں سے آنسوؤں کا دھارا بہہ نکلا۔ "ولادمیر کیوں کیا بات ہے؟" وہ بار بار پوچھتی رہی۔ میری طرف سے جواب نہ پاکر اور مجھے مسلسل روتا ہوا دیکھ کر اس نے میرے بھیگے ہوئے گال پر بوسہ دینا چاہا لیکن میں نے اپنا منہ پھیر لیا۔ اور میں نے روتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا "میں سب کچھ جانتا ہوں تم مجھ سے کیوں کھیلتی رہی ہو؟ تم مجھ سے کیوں محبت کرتی رہی ہو؟"

"ہاں میں قصوروار ہوں ولوڈیا" زبیدہ بولی "میں جانتی ہوں کہ قصور میرا ہی ہے" اور پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے کہا "مجھ میں بہت سی باتیں بڑی گناہ آلود اور تاریک ہیں۔ لیکن میں تمہارے جذبات سے کھیل نہیں رہی ہوں میں تمہیں چاہتی ہوں۔ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں۔ لیکن —— تم کیا جانتے ہو؟"

میں کیا کہتا؟ وہ میرے سامنے کھڑی تھی اور میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں

www.taemeernews.com

اس کا تھا۔ سر سے پاؤں تک اس کا تھا۔ جب بھی وہ میری طرف دیکھتی تھی مجھے اپنا بنا لیتی تھی۔ پون گھنٹے کے بعد میں زبیدا اور ننھے فوجی کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ اب میں رو نہیں رہا تھا مگر یہ ہنسی بھی میرے سوجے ہوئے گالوں پر سے آنسو گر رہی تھی۔ میں نے ٹائی کے بجائے زبیدا کا فیتہ گلے سے باندھ رکھا تھا اور جب کبھی میں اسے کمرے سے پکڑنے میں کامیاب ہو جاتا تھا تو فرطِ مسرت سے چلا اٹھتا تھا۔ وہ جو چاہتی تھی میں وہی کرتا تھا۔

۱۹

میری اس رات ناکام مہم کے بعد جو ہفتے گذرے اُن کے دوران میرے کیا احساسات تھے ان کے بارے میں اگر کسی نے مجھ سے مفصل تذکرہ دریافت کیا ہوتا تو میں ہرگز نہ بیان نہ کر سکتا۔ وہ ایک عجیب و غریب اور بحرانی دور تھا۔ ہر چیز گڈمڈ ہو رہی تھی جس میں احساسات، خیالات، شکوک، امیدیں، مسرتیں اور تکالیف ایک مجنونانہ الجھاؤ میں پھنسی ہوئی تھیں۔ میں اپنے دل کے اندر جھانکنے سے خوف کھا رہا تھا۔ اگر سولہ برس کے ایک لڑکے کو اس قابل سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے دل کے اندر جھانک سکتا ہے تو میں واقعی اپنے دل میں جھانکنے سے اور کسی بات کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ سوچنے سے خوف کھا رہا تھا۔ میں حتی الامکان کسی طرح دن بسر کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر مجھے نیند خوب آتی تھی۔ یہاں میری بیگانہ متلون مزاجی میرے آڑے آتی تھی۔ میں یہ نہیں جانتا تھا کہ مجھ سے محبت نہیں کی جا رہی ہے۔ میں اپنے والد سے گریز کرتا مگر زبیدا

www.taemeernews.com

سے گریز دشوار تھا۔ اس کی موجودگی مجھے شعلوں کی طرح نگل جاتی تھی اور مجھے اس کی پروا نہیں تھی کہ کون سی آگ میرے اندر روشن ہے اور مجھے پگھلا رہی ہے۔ جلتے رہنا اور پگھلتے رہنا جبکہ نہایت دلآویز تھا۔ ہر تصور کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے میں اپنے آپ سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا اور جو کچھ میری قسمت میں تھا میں اس کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لیتا تھا۔ یہ بحرانی صورت حال زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ ایک ناگہانی حادثہ نے اسے ختم کر دیا اور میرے وجود کی ندی کا رخ بدل دیا۔

ایک دن دوپہر کا کھانا کے لئے لمبی سیر کے بعد گھر کو واپسی پر یہ جان کر مجھے حیرت ہوئی کہ کھانا مجھے تنہا کھانا پڑے گا کیونکہ میرے والد باہر گئے ہوئے اور والدہ کی طبیعت خراب تھی اور وہ کچھ کھانا نہیں چاہتی تھیں۔ انھوں نے خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیا تھا۔ میں ملازموں کے چہروں سے اندازہ لگا سکتا تھا کہ خلاف معمول کوئی واقعہ ضرور پیش آیا ہے۔ میں ان سے کچھ پوچھنے کی جرأت نہ کر سکا لیکن ان میں میرا ایک دوست تھا اس کا نام فلپ تھا اور وہ دربان تھا۔ وہ شعر و شاعری کا دلدادہ تھا اور گٹار نہایت اچھی بجاتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھ گچھ کی۔ مجھے پتہ چلا کہ میری والدہ اور میرے والد کے درمیان سخت جھگڑا ہوا ہے (ان کی گفتگو کا ہر ایک لفظ خادمہ کے کمرے تک پہنچ رہا تھا اور جھگڑا اگرچہ فرانسیسی زبان میں ہو رہا تھا لیکن خادمہ ماشا جس نے پیرس کی ایک درزن کے یہاں پانچ سال گذارے تھے فرانسیسی زبان اچھی طرح سمجھ لیتی تھی) میری والدہ نے والد پر الزام لگایا تھا کہ وہ ایک وفادار شوہر نہیں تھے اور پڑوس کی ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ ان کا تعلق تھا۔ میرے والد نے پہلے تو اس الزام کو بے بنیاد بتایا مگر بعد میں وہ اس قدر مشتعل ہو گئے کہ انھوں نے والدہ کی سی عمر کی عورت کے بارے میں نہایت سخت الفاظ استعمال کئے جنھیں سن کر میری والدہ رونے لگی۔ میری والدہ نے ایک پرامیسری نوٹ (ہنڈی) کا بھی ذکر کیا جو میرے والد نے بوڑھی

www.taemeernews.com

شہزادی کو دی تھی اور میری والدہ نے بوڑھی شہزادی کو برا بھلا کہا اور نوجوان لڑکی کو بھی گالیاں دیں۔ بس اتنا سنتے ہی میرے والد مشتعل ہو گئے۔

"اس جھگڑے کی بنیاد ـــــ" فلپ نے آخر میں کہا "ایک گمنام خط تھا نہ جانے یہ خط کس نے لکھا۔ اس بات کا ہرگز پتہ نہ چلتا اگر یہ خط نہ آتا۔"

"تمہارا کیا مطلب ہے۔ کیا یہ بات واقعی سچ ہے؟" میں یہ پوچھنے پر مجبور ہو گیا۔ میرے ہاتھ پاؤں سرد پڑ گئے اور رگوں میں کپکپی دوڑ گئی۔ فلپ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں یہ بات سچی ہے۔ آپ ایسی بات کو ہرگز چھپا نہیں سکتے۔ آپ کے والد بہت محتاط تھے لیکن انہیں سو باتیں کرنا ہوتی ہیں۔۔۔ بادشاہ کو بھی اپنا رازدار بنانا پڑتا ہے۔"

میں نے فلپ کو چلتا کیا اور خود کو پلنگ پر گرا دیا۔ اس وقت میں رویا نہیں اور رنجیدہ بھی نہیں ہوا۔ میں نے اپنے آپ سے یہ سوال بھی نہ کیا کہ یہ واقعہ کیونکر اور کب ہوا۔ میں نے اپنے آپ سے یہ بھی نہ پوچھا کہ میں کیوں اتنے دن اس بات سے بے خبر رہا۔ میں نے اپنے والد کے خلاف کوئی شکوہ بھی نہ کیا۔ میں نے اب جو کچھ سنا تھا وہ میرے لئے بہت تھا۔ اس کے اچانک انکشاف نے مجھے کچل کر رکھ دیا تھا۔ ہر بات ختم ہو چکی تھی۔ میرے تمام کھلونوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا تھا۔ اور وہ میرے اردگرد بکھرے پڑے تھے۔ مسلے اور کچلے ہوئے۔

۳۰

دوسرے دن میری والدہ نے شہر واپس جانے کے اپنے ارادے کا اعلان کر دیا۔ میرے والد صبح کے وقت والدہ کی خوابگاہ میں گئے اور دیر تک ان کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔

www.taemeernews.com

کوئی یہ سُن نہ سکا کہ انھوں نے والدہ سے کیا کہا تھا مگر اتنی بات ضرور ہوئی تھی کہ والدہ نے رونا بند کر دیا تھا۔ وہ پُرسکون ہو چکی تھیں اور انھوں نے اپنے کمرے میں اپنا ناشتہ منگوایا۔ وہ کمرے سے باہر نہ نکلیں اور انھوں نے شہر جانے کے اپنے ارادے کو تبدیل بھی نہ کیا۔ مجھے یاد ہے کہ میں دن بھر گھومتا رہا اور باغ میں نہ گیا۔ اور مسلکہ عمارت کی طرف میں نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اس شام کو میں ایک غیر معمولی منظر کا شاہد بنا۔ کاؤنٹ ملافسکی کو بازو سے پکڑ کر میرے والد نشست گاہ سے اُسے بڑے کمرے میں لے آئے اور دربان کی موجودگی میں اس سے بڑی سرد مہری کے ساتھ کہا "کچھ دن ہوئے حضور کو کسی گھر میں دکھایا گیا تھا اور اب کسی بات کی مزید وضاحت کئے بغیر یہ شرف مجھے حاصل ہو رہا ہے کہ میں آپ کو اطلاع دوں کہ اگر آپ آئندہ کسی روز بھی اس گھر میں تشریف لائے تو میں آپ کو کھڑکی سے باہر پھینک دوں گا۔ مجھے تمہاری طرز تحریر بالکل پسند نہیں۔" کاؤنٹ ایک طرف کو دبک گیا۔ اپنے دانت کٹکٹانے لگا اور پھر کندھے جھٹکتا ہوا کھسک گیا۔

شہر جانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ہم شہر میں ارباب کوچ میں جا رہے تھے۔ شاید میرے والد بھی اب دیہی علاقہ میں ٹھہرنا نہیں چاہتے تھے مگر وہ اس بات میں کامیاب ہو گئے کہ والدہ کو انھوں نے اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ کوئی ہنگامہ بپا کئے بغیر شہر کو روانہ ہوں گی۔ ہر بات بڑی خاموشی کے ساتھ کی جا رہی تھی کسی قسم کی جلدی نہیں تھی۔ میری والدہ نے تو بوڑھی شہزادی کے یہاں پیغام بھی بھجوایا اور اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ خرابی صحت کی وجہ سے وہ ان سے رخصت چاہنے کے لئے نہیں آسکتیں۔ مگر پاگلوں کی سی حالت میں گھومتا رہا۔ میں صرف ایک چیز کی تمنا کر رہا تھا کہ ہر بات جلد ہو جائے۔ مگر ایک خیال کو میں اپنے ذہن سے نہیں جھٹک پا رہا تھا۔ زنیدا ایک جوان لڑکی نے جو آخر ایک شہزادی تھی ایسا کیوں کیا جبکہ وہ جانتی تھی کہ میرے والد ایک آزاد مرد نہیں ہیں اور جب اُسے

www.taemeernews.com

معلوم تھا کہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ بلاف زروف شادی کر سکتی تھی۔ اس نے اس کا کیا نتیجہ سوچا تھا؟ کیا وہ اپنے مستقبل کو تباہ کرنے سے ڈرتی نہیں تھی؟" میں نے سوچا "اس کا نام تو محبت ہے۔ عشق ہے، عقیدت ہے" اور پھر مجھے ڈاکٹر یوشن کے الفاظ یاد آئے "صاف ظاہر ہے کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے آپ کی قربانی دے کر خوش ہوتے ہیں" اس مدت میں صرف ایک دفعہ منسلکہ عمارت کی کھڑکی میں مجھے ایک زرد سی چیز دکھائی دی "کیا یہ زنیدا کا چہرہ تھا؟" میں حیران ہو رہا تھا۔ اور وہ واقعی زنیدا کا چہرہ تھا۔ اب مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں اس سے الوداع کہے بغیر جدا ہونے کو برداشت نہ کر سکا میں موقع کی تلاش میں رہا اور پھر منسلکہ عمارت کی طرف چل پڑا۔

بوڑھی شہزادی مجھے اپنی نشست گاہ میں اپنے لاابالیانہ انداز میں مجھ سے ملی "یہ کیا بات ہے کہ آپ لوگ اس قدر جلد یہاں سے اپنے پر تول رہے ہیں؟" اس نے اپنی ناک میں ناس چڑھاتے ہوئے کہا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور میرے کندھوں پر منوں بوجھ آ گرا۔ فلپ نے جس ہنڈی کا ذکر کیا تھا وہ مجھے اذیت دے رہی تھی۔ زنیدا دوسرے کمرے سے سیاہ لباس میں نمودار ہوئی۔ اس کا رنگ زرد اور اس کے بالوں کے گنڈل سیدھے ہو گئے تھے۔ وہ مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گئی۔

"میں نے تمہاری آواز سنی اور فوراً یہاں چلی آئی۔ سنگدل لڑکے ہمیں چھوڑ کر چلا جانا کیا اتنا ہی آسان تھا؟"

"میں تمہیں الوداع کہنے آیا ہوں" میں نے جواب دیا "اور شاید ہمیشہ کے لئے۔ تم شاید سن چکی ہو کہ ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔

زنیدا نے میری طرف تجسس بھری نگاہوں سے دیکھا۔

"ہاں میں سن چکی ہوں۔ تمہاری آمد کا شکریہ۔ میں خود یہ سوچنے لگی ہوں کہ میں اب تم سے کبھی نہیں مل سکوں گی۔ اگر ہو سکے تو مجھے نرم دلی کے ساتھ یاد کرنا۔

www.taemeernews.com

میں جانتی ہوں کہ میں نے بعض اوقات تمہیں سخت اذیت پہنچائی ہے لیکن میں ایسی نہیں ہوں جیسی کہ تم سمجھتے ہو۔"

اُس نے اپنا منہ پھیر لیا اور کھڑکی کے پٹ کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی۔

"میں سچ کہتی ہوں کہ میں ویسی نہیں ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ میرے بارے میں تمہاری رائے اچھی نہیں ہے۔"

"میری ؟"

"ہاں ہاں تمہاری ...."

"میری —" میں نے رنجیدہ ہو کر بات دہرائی۔ اور اس کی ناقابل مزاحمت اور ناقابل بیان دلفریبی کے جادو کے تحت میرا دل ایک دفعہ پھر متزلزل ہو گیا۔

"میں ؟ زبیدا مجھ پہ یقین کرو۔ جو کچھ بھی تم نے کیا ہے تم نے چاہے مجھے کتنا ہی ستایا ہے۔ میں اپنی زندگی کے آخری ایام تک تم سے محبت کروں گا اور تمہاری پرستش کروں گا۔"

وہ کھلی ہوئی آغوش کے ساتھ مڑی اور اس نے اپنے بازو میری گردن میں حمائل کر دیئے اور میرے ہونٹوں پر گرمجوشی کے ساتھ بوسہ۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ گرم اور طویل الوداعی بوسہ کس کے لئے تھا لیکن میں اس بوسہ کی شیرینی کو اشتیاق کے ساتھ پی گیا۔ میں جانتا تھا کہ اس کرم کو دہرایا نہیں جائے گا۔ "خدا حافظ، خدا حافظ!" میں بار بار کہتا رہا۔ وہ مجھ سے الگ ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں بھی وہاں سے چلا آیا۔ میں جو احساسات اس وقت اپنے دل میں لئے ہوئے نکلا انھیں بیان نہیں کر سکتا۔ میں ان باتوں سے ایک دفعہ پھر گذرنا نہیں چاہتا لیکن اگر میں ان باتوں سے نہ گذرتا تو خود کو ایک غم زدہ شخص سمجھتا۔

ہم شہر میں منتقل ہو گئے۔ بڑی مشکل سے میں اپنے ماضی کو بھلا سکا اور میں نے کام کرنا شروع کیا۔ میرا زخم آہستہ آہستہ بھرا لیکن مجھے اپنے والد سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ برعکس اس کے میری نگاہ میں ان کی عزت بڑھ گئی تھی۔ ماہرین نفسیات

www.taemeernews.com

کو اس گتھی کو سلجھانے دو۔ ایک دن پٹڑی پہ چل رہا تھا کہ میری مڈبھیڑ ڈاکٹر روشن سے ہوئی۔ میں اسے اس کے بے باک، صاف اور پُرخلوص طور و اطوار کی وجہ سے پسند کرتا تھا اور وہ مجھے اس لئے بھی عزیز تھا کہ اسے دیکھتے ہی میرے دل میں کچھ یادیں اُبھرتی تھیں۔ میں اس کی طرف لپکا۔ "ہا" اس نے اپنے ابرو سکیڑتے ہوئے کہا۔ "نوجوان تم ہو؟ ٹھہرو ذرا مجھے دیکھنے دو۔ ابھی ذرا کمزور ہو لیکن تمہاری آنکھوں سے افسردگی کی علامت دور ہو چکی ہے۔ اب تم چھوٹے کتے کی بجائے انسان معلوم ہو۔ یہ ایک اچھی بات ہے۔ کہو طبیعت کیسی ہے۔ کام کر رہے ہو نا؟"

میں نے ایک سرد آہ بھری۔ میں جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا اور صداقت کو اپناتے ہوئے شرما بھی رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں" روشن نے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ "ہمت نہ ہارو۔ دنیا میں سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ عام حالات میں زندگی گذارو اور کبھی اپنے آپ کو جذبات کی رو میں نہ بہنے دو۔ آخر اس کا نتیجہ ہی کیا نکلتا ہے؟ یعنی وہاں لے جاؤ جہاں لہریں تمہیں لے جائیں۔ یہ ایک بُری بات ہے۔ جب تک آدمی کے قدموں تلے ایک بھی پتھر ہے وہ اس پہ کھڑا ہو سکتا ہے۔ میں ان دنوں کھانسنے کے سوا کچھ بھی نہیں کرتا اور ہاں تاروف کے بارے میں تم نے کچھ سنا؟"

"نہیں تو۔ کیوں کیا ہوا؟"

"بالکل غائب ہو چکا ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ وہ کاکیشیا چلا گیا ہے۔ تمہارے لیے یہ ایک سبق ہو سکتا ہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ لوگ نہیں جانتے کہ انھیں کب جدا ہونا چاہیئے۔ جال کو کب توڑنا چاہیئے۔ تم اس جال سے صاف بچ کر آ گئے ہو۔ یاد رکھو کہ اب اس میں ہرگز نہ پھنسنا۔ خدا حافظ"

"میں اس جال میں کبھی نہیں پھنسوں گا" میں سوچ رہا تھا۔ "میں اب اس سے کبھی نہیں ملوں گا" لیکن زینیدا سے ایک مرتبہ پھر ملنا میری قسمت میں لکھا تھا۔

www.taemeernews.com

۲۱

میرے والد کی عادت تھی کہ وہ ہر روز گھوڑے کی سیر کو جایا کرتے تھے۔ ان کے پاس برطانوی نسل کا ایک بہت اچھا گھوڑا تھا اس کی گردن پتلی تھی اور ٹانگیں لمبی تھیں۔ یہ گھوڑا بڑا تند خو تھا اور اس پہ قابو پانا بھی بہت دشوار تھا اور اس کا نام تھا "بجلی" میرے والد کے سوا اسے دوسرا کوئی قابو میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ ایک دن میرے والد میرے کمرے میں آئے۔ اس دن وہ بہت خوش تھے پچھلے دنوں میں انھوں نے مجھ سے کبھی شفقت کے ساتھ برتاؤ نہیں کیا تھا۔ وہ گھوڑ سواری کی غرض سے باہر جا رہے تھے اور انھوں نے لمبے بوٹ پہن رکھے تھے۔ میں نے ان سے التجا کی کہ وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔

"اس سے تو زیادہ اچھا ہے کہ تم کوئی اور کھیل کھیلو" میرے والد نے جواب دیا "تم اپنے جرمن گھوڑے پہ میرا ساتھ نہیں دے سکو گے"

"کیوں نہیں دے سکوں گا۔ میں کوشش کروں گا"

"تو پھر آؤ"

ہم دونوں روانہ ہوئے۔ میرے پاس موٹے کھردرے بالوں والا ایک گھوڑا تھا جو بڑے بچھے تلے قدم اٹھاتا اور بڑا چوشیلا تھا مگر اسے "بجلی" کی دلکی کا ساتھ دینے کی غرض سے سرپٹ دوڑانا پڑا میں اپنے والد سے پیچھے نہ رہا۔ میں نے آج تک اپنے والد جیسا کوئی گھوڑ سوار نہیں دیکھا تھا۔ وہ بڑے آرام اور بے تکلفی کے ساتھ گھوڑے کی کاٹھی پہ بیٹھے تھے۔ ان کے انداز میں کچھ ایسا بانکپن تھا

www.taemeernews.com

تھا کہ گھوڑا بھی اسے محسوس کر رہا تھا اور وہ اپنے سوار پر نازاں تھا۔ ہم دونوں بدستور کچے راستے پر سے آگے بڑھتے رہے۔ ہم کئی باڑھ والی باڑوں پر سے کود گئے (پہلے پہل تو میں باڑھ کودتے ہوئے گھبرایا مگر میرے والد گھبرا جانے والے اشخاص کو پسند نہیں کرتے تھے اس لئے میں نے اپنی گھبراہٹ پر غالب پاتے ہوئے جرأت سے کام لیا) ہم نے دو دفعہ ماسکو دریا کو پار کیا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ ہم واپس جا رہے ہیں کیونکہ میرے والد نے یہ کہا تھا کہ میرا گھوڑا تھک گیا ہے۔ دفعتاً وہ مڑے اور کریمسکی گھاٹ کی طرف لپکے اور انھوں نے اپنے گھوڑے کو سرپٹ ڈال دیا۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ جب ہم پرانے شہتیروں کے ایک اونچے ڈھیر کے قریب پہنچے تو میرے والد بڑی آہستگی کے ساتھ "بجلی" پر سے کود پڑے اور اپنے گھوڑے کی باگ میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے انھوں نے مجھ سے بھی اتر آنے کے لئے کہا اور مجھے حکم دیا کہ میں شہتیروں کے پاس کھڑا ان کا انتظار کروں۔ پھر وہ ایک تنگ عقبی گلی میں مڑ گئے اور میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

میں نے چہل قدمی شروع کر دی اور گھوڑوں کو گھاٹ کے کنارے لے گیا۔ میں بجلی کی لگام کھینچ رہا تھا کیونکہ وہ بار بار ہنہنا کر مچل اٹھتا تھا۔ وہ زور سے زمین پر پاؤں پٹک رہا تھا۔ وہ ایک اچھی پرورش پائے ہوئے مگر بگڑے ہوئے گھوڑے کی طرح عمل کر رہا تھا۔ میرے والد ابھی تک نہیں لوٹے تھے دریا سے ایک ناخوشگوار نمی اٹھ رہی تھی۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ اور شہتیروں پر بوندیں ٹپک رہی تھیں اور میں اس منظر سے اکتا چکا تھا۔ میں بڑی بے کیفی محسوس کر رہا تھا اور افسردہ ہو رہا تھا اور میرے والد ابھی تک نہیں آئے تھے۔ پولیس کا ایک سپاہی جو غالباً فن لینڈ کا معلوم ہوتا تھا شہتیروں کی طرح بھورے رنگ کی وردی میں میرے قریب آیا۔ اس نے پروں والی اونچی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ وہ ہاتھ میں نیزہ پکڑے ہوئے تھا (پولیس کا یہ سپاہی ماسکو کے دریا کے کنارے کیا کر رہا تھا) یہ پولیس کا سپاہی میرے قریب آگیا اور اپنے

www.taemeernews.com

جھریوں دار چہرے کو میری طرف موڑ کے بولا۔
"لاؤ مانک، تمہارے گھوڑوں کو میں پکڑے رکھتا ہوں۔"
لیکن میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے مجھ سے پھر تھوڑا سا تمباکو مانگا۔ اس سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے (اس لئے بھی کہ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا) میں اس سمت میں کچھ آگے بڑھ گیا جس سمت میں میرے والد گئے تھے۔ چالیس قدموں کے فاصلے پر لکڑی کے بنے ہوئے ایک گھر کی کھڑکی میں ابا میری طرف پیٹھ کئے ہوئے کھڑکی کا سہارا لے کر کھڑے تھے۔ اس کمرے کا نصف اندرونی منظر پردوں میں چھپا ہوا تھا۔ کمرے میں ایک گہرے رنگ کا لباس پہنے ایک عورت بیٹھی تھی اور وہ میرے والد سے باتیں کر رہی تھی۔ یہ عورت زنیدا تھی۔ میں سکتے میں آ گیا۔ مجھے اس بات کی قطعاً توقع نہیں تھی۔ پہلے تو مجھے خیال آیا کہ میں الٹے پاؤں بھاگ جاؤں۔ "اگر میرے والد نے پیچھے مڑ کر مجھے دیکھ لیا،" میں سوچ رہا تھا "تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔" لیکن ایک انوکھا احساس جو حیرت سے کہیں زیادہ طاقتور تھا جو حسد و رقابت سے بھی زیادہ مضبوط تھا مجھ پر غالب آ گیا تھا اور میں اپنی جگہ پر جم کر کھڑا رہا۔ میں ان کی طرف اپنی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا اور ان کی گفتگو سننے کی کوشش کرتا رہا۔ میرے والد کچھ ایسی بات پر اصرار کر رہے تھے جس پر زنیدا رضامند نہیں ہو رہی تھی۔ مجھے آج بھی اس کا چہرہ نظر آ رہا ہے۔ وہ بہت غمزدہ تھی سنجیدہ تھی اور نہایت خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ناقابل بیان عقیدت و ارادت کے آثار تھے۔ اس کے چہرے پر افسردگی اور محبت کا امتزاج ثبت تھا اور وہ بہت مایوس تھی۔ اس وقت اس کے چہرے کو بیان کرنے کے ان کے سوا مجھے اور الفاظ نہیں ملتے۔ وہ اس طرح باتیں کر رہی تھی جیسے وہ اپنے آپ سے مخاطب ہو اور وہ اپنی نگاہیں جھکائے ہوئے تھی۔ کبھی کبھی ہٹ دھرمی کے ساتھ مسکرا دیتی تھی۔ اس کی مسکراہٹ ہی سے میں پہچان سکتا تھا کہ وہ زنیدا ہے۔ میرے والد نے اپنے کندھے جھٹکے مجھے یہ الفاظ صاف سنائی دیئے۔

www.taemeernews.com

"تو پھر ہمیں ایک دوسرے سے جُدا ہونا پڑے گا" زنیدا اُٹھ کر کھڑی ہوگئی اور اس نے اپنا بازو پھیلا دیا۔۔۔۔ اس وقت ایک غیر معمولی منظر میری آنکھوں کے سامنے رونما ہوا۔ میرے والد نے اپنی چابک اوپر اٹھائی جس سے وہ اپنے کوٹ کے کالر جھاڑ رہے تھے اور پورے زور کے ساتھ زنیدا کی کلائی پر ایک ضرب لگائی۔ میں نے اپنی چیخ کو دبانے کی سخت کوشش کی لہذا زنیدا صرف ایک لمحہ کے لیے چونکی اور پھر اس نے خاموشی کے ساتھ میرے والد کی طرف دیکھا اور اپنے بازو کو آہستگی کے ساتھ اپنے ہونٹوں کے قریب لاکر اس جگہ بوسہ دیا جہاں چابک کی ضرب سے ایک سُرخ سا داغ اُبھر آیا تھا۔ چابک کو ایک طرف پھینکتے ہوئے میرے والد ڈیوڑھی کی سیڑھیوں کی طرف لپکے اور زنیدا کھڑکی سے ہٹ گئی۔ اس کے بازو پھیلے ہوئے تھے اور اس نے اپنا سر پیچھے کی طرف ڈال دیا تھا۔ میں وہاں سے ذرا پیچھے ہٹا۔ میں خوف کے مارے بیہوش ہوکر گر پڑنے کو تھا۔ میرے دل میں ایک اندوہناک حیرت کا دریا موجزن تھا۔ میں عقبی گلی کے نکڑ کی طرف بھاگا اور "بجلی" قریب قریب میرے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ میں دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ اس وقت میرے خیالات بہت پریشان تھے۔ مجھے پہلے بھی اس بات کا علم تھا کہ میرے والد جو اکثر پرسکون رہا کرتے تھے کبھی کبھی انتہائی غضب آلود بھی ہو جاتے تھے۔ اس کے باوجود میری آنکھوں کے سامنے جو کچھ ہوا تھا اس کو میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔۔۔ مگر میں اتنا جانتا تھا کہ میں اپنے اس واقعہ کو عمر بھر نہیں بھول سکوں گا۔ زنیدا کا چہرہ، اس کی نگاہ اور اس کی مُسکراہٹ۔ میں جانتا تھا کہ زنیدا کی صورت کا یہ جو نیا پہلو اُجاگر ہوا ہے وہ ہمیشہ کے لیے میرے ذہن پر ثبت ہوکر رہ جائے گا۔ میں یونہی دریا کی طرف دیکھنے لگا اور مجھے یہ دھیان بھی نہ رہا کہ میرے گالوں پر آنسو بہہ رہے ہیں۔ "میرے والد نے اُسے پیٹا" میں بار بار دُہرا رہا تھا "اُسے پیٹا۔ اُسے پیٹا۔۔۔!"

"آؤ چلیں۔ لاؤ لگام مجھے دو" میں نے اپنے پیچھے اپنے والد کی آواز سُنی۔ میں نے افسردگی کے ساتھ لگام اپنے والد کے ہاتھ میں دے دی۔ اور وہ اچھل کر

www.taemeernews.com

"بجلی" پر سوار ہوگئے۔ گھوڑا اتنی دیر کے انتظار کے بعد ٹھٹھر رہا تھا اور فوراً چمک کر کودا اور ایک ہی چھلانگ میں دس فیٹ آگے نکل گیا مگر میرے والد نے جلد ہی اس پر قابو پا لیا اور گھوڑے کے پہلوؤں میں اپنی ایڑیاں دبا کر انھوں نے گھوڑے کی گردن پر مکہ مارا۔ "آہ میرے پاس چابک نہیں ہے" میرے والد بڑبڑائے۔

اور مجھے چابک کا وہ ٹکڑا یاد آیا اور میں کپکپا اٹھا۔

"آپ کی چابک کہاں گئی؟" میں نے ایک لمحہ کے بعد اپنے والد سے پوچھا۔

انھوں نے جواب دیئے بغیر گھوڑے کو سرپٹ ڈال دیا۔ میں بھی چونکا اور میں نے تھوڑی دیر میں اپنے والد کو جا لیا۔

"کیا تم انتظار کرتے ہوئے تھک تو نہیں گئے تھے؟" میرے والد نے اپنے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔

"ہاں تھک تو گیا تھا مگر آپ کی چابک کیا ہوئی؟" میں نے پھر پوچھا۔

میرے والد نے تیزی کے ساتھ میری طرف نگاہ ڈالی۔

"وہ گم نہیں ہوئی۔ چابک میں نے پھینک دی ہے"

پھر کچھ سوچتے ہوئے انھوں نے سر جھکا لیا۔۔۔۔ اور اس وقت شاید پہلی اور آخری مرتبہ میں نے دیکھا کہ ان کے چہرے کے خدوخال شفقت و ہمدردی کا اظہار کر سکتے تھے۔

انھوں نے پھر اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا۔ اب میں ان کا ساتھ نہ دے سکا۔ میں ان سے پون گھنٹہ بعد گھر پہنچا۔

"یہی محبت ہے" اس رات کو ایک دفعہ پھر میں نے اپنے آپ سے کہا۔

میں میز کے گرد بیٹھا تھا جس پر کتابیں اور کاپیاں پڑی تھیں "یہی عشق ہے۔ کوئی بھی اس ضرب کو جو غصے میں لگائی گئی ہو برداشت نہیں کر سکتا چاہے ضرب لگانے والا ہاتھ کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو۔ مگر اس ضرب کو بھی وہ آدمی برداشت کر لیتا ہے جو محبت کرتا ہے۔۔۔۔ اور میں۔ میں سوچ رہا تھا۔۔۔۔"میں

www.taemeernews.com

اس آخری مہینہ میں پختہ کار ہو چکا تھا اور مجھے اپنی محبت اپنے ہیجان اور دکھ کے ساتھ بے بضاعت نظر آ رہی تھی۔ بچگانہ اور غیر اہم ۔ یہ میری محبت اس محبت کے مقابلے میں حقیر تھی جسے میں جانتا تھا مگر جس کے بارے میں ایک دھندلا سا تصور ہی میں کر سکتا تھا۔ اور یہ تصور ایک غیر آشنا صورت کی طرح میرے سامنے چھپا تھا ایک حسین اور سنجیدہ صورت جسے دھندلکے میں آدمی پوری طرح دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس رات کو میں نے ایک انوکھا اور بھیانک خواب دیکھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک نیچی چھت کے تاریک کمرے میں ہوں ۔ میرے والد بھی وہاں ہیں۔ ان کے ہاتھ میں چابک ہے اور وہ زور زور سے زمین پر پاؤں پٹک رہے ہیں ۔ زنیدا ایک کونے میں گچھا بنی ہوئی پڑی ہے اور اس کے بازو نہیں بلکہ ابرو پر ایک گہرا زخم ہے ان دونوں کے پیچھے بلاف زروف کی صورت نمایاں تھی وہ بھی خون میں نہایا ہوا تھا۔ وہ اپنے زرد ہونٹ کھول کر میرے والد کو دھمکیاں دے رہا تھا۔ . . . .

دو مہینوں کے بعد میں یونیورسٹی میں داخل ہو گیا اور چھ مہینے کے بعد پیٹرز برگ میں میرے والد انتقال کر گئے (ان پر دورہ پڑا) جہاں وہ منتقل ہو گئے تھے۔ موت سے چند روز پہلے انھیں ماسکو سے ایک خط ملا تھا جو ان کے کرب و اضطراب کا سبب بنا وہ میری والدہ کے پاس گئے اور انھوں نے ان سے کچھ طلب کیا۔ کہتے ہیں کہ میرے والد رو پڑے ۔ ذرا تو غور کیجئے میرے والد رو پڑے! جس صبح کو انھیں دورہ پڑا اسی روز انھوں نے مجھے ایک خط فرانسیسی زبان میں لکھنا شروع کیا "پیارے بیٹے! عورت کی محبت سے، اس کی خوشی سے بچنا . . . . " میرے والد کی موت کے بعد میری والدہ نے ایک بھاری رقم ماسکو بھیجی ۔

۲۲

تین یا چار سال گذر گئے تھے۔ میں یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو چکا تھا۔ اور میں ابھی یہ کوئی ارادہ نہیں

www.taemeernews.com

کر پایا تھا کہ میں کیا طرز معاشرت اختیار کروں گا۔ اور کس دروازہ پہ دستک دوں گا۔ میں اس اثنا میں آوارہ گردی کر رہا تھا۔ ایک شام کو تھیٹر میں میدلف سے میری ملاقات ہوئی۔ اس کی شادی ہو چکی تھی اور وہ سرکاری ملازم ہو چکا تھا۔ میں نے اس میں کوئی تبدیلی نہ دیکھی۔ وہ ابھی تک بے سود جوش و خروش کا اظہار کرتا تھا اور اس پہ اب بھی یاسیت کے دورے پڑتے تھے۔

پھر اس نے یونہی کہا: "کیا تمہیں معلوم ہے کہ مادام ڈیسکو یا ان دنوں یہیں ہیں!"

"کون مادام ڈیسکو یا؟"

"کیا تم بھول گئے؟ وہ سابقہ شہزادی جس کی محبت میں ہم سب گرفتار تھے۔ ڈیسکو جس پانچ سنٹے دیہی مکان کو بھول گئے؟"

"کیا اس کی ڈوسکی سے شادی ہوئی ہے؟"

"ہاں۔"

"کیا وہ اس وقت تھیٹر میں آئی ہے؟"

"نہیں۔ چند روز ہوئے پیٹرز برگ سے یہاں آئی ہے۔ وہ غیر ممالک کی سیر کو جا رہی ہے۔"

"اس کا خاوند کیسا آدمی ہے؟"

"نہایت اچھا۔ دولت مند بھی ہے۔ ہم ماسکو میں ایک ساتھ کام کرتے تھے تم تو جانتے ہی ہو۔ اس معاملہ کے بعد۔ یقیناً تمہیں سب کچھ معلوم ہے (میدلف نے میری طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور مسکرایا) اس کے لئے شوہر تلاش کرنا آسان نہیں تھا کیونکہ اس کی محبت کے کچھ نتائج بھی برآمد ہوئے تھے لیکن اس کی سی قابل عورت سب معاملوں کو سلجھا لیتی ہے۔ اس سے ملنے کے لئے جاؤ۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوگی۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین نظر آتی ہے۔"

میدلف نے مجھے زنیدا کا پتہ دیا۔ وہ ... ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔ پرانی یاد عود کر آئی۔ میں نے اپنے آپ سے وعدہ کیا کہ میں دوسرے دن ہی اپنی پرانی محبت

www.taemeernews.com

ملنے چلا جاؤں گا۔ مگر بہت سے واقعات راہ میں حائل ہو گئے اور اس طرح ایک ہفتہ گذر گیا اور دوسرا ہفتہ بھی بیت گیا اور جب میں ڈموتھ ہوٹل کی جانب روانہ ہوا اور میں نے دریافت کیا کہ مادام ڈولسکو یا کہاں ہیں تو مجھے بتایا گیا کہ بچے کی پیدائش کی وجہ سے چار روز ہوئے ان کا انتقال ہو گیا۔

مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے دل میں چھری بھونک دی ہو۔ یہ خیال کہ میں اس سے مل سکتا تھا اور نہ مل سکا اور اب آئندہ اسے کبھی نہیں دیکھ سکوں گا میرے دل کو گھن کی طرح چاٹ رہا تھا۔ "انتقال ہو گیا؟" میں نے اپنے آپ سے کہا اور دربان کی طرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا اور پھر میں باہر سڑک پر آ گیا اور اس خیال کے بغیر میں کہاں جا رہا تھا گھومتا رہا۔ اچھا تو اس جوان، پُر اشتیاق اور عظیم الشان زندگی کا یہ انجام ہونا تھا شاید یہی وجہ تھی کہ تقدیر نے اس میں اتنی تیزی اور اتنا ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ یہ سوچتے ہوئے میں نے اس کے پیارے خد و خال کو، آنکھوں کو، زلفوں کو یاد کیا جو اس وقت لکڑی کے تابوت میں بند ہوں گی اور شاید وہ میرے والد سے چند گز کے فاصلے پر ابھی تک زندہ ہوں۔ ان خیالات کو اپنے ذہن میں الٹتے پلٹتے اس شعر پر آ کر رک گیا۔

" لاتعلق ہونٹوں نے مجھے جان لیوا خبر سنائی۔ اور وہ بھی میرے لاتعلق کانوں کو"

آہ جوانی! شباب! تو کسی چیز کی پروا نہیں کرتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیرے قبضے میں کل کائنات کے خزانے ہیں۔ رنج و غم میں تیری تفریح کا سامان ہیں اور دکھ بھی تجھے زیب دیتا ہے۔ اعتماد اور مطلق العنانی کے ساتھ تو اعلان کرتا ہے "دیکھو صرف میں تنہا ہی زندہ ہوں!" مگر تیرے دن پر لگا کر اڑ رہے ہیں اور اپنے پیچھے کوئی نشان تک نہیں چھوڑتے اور ہر چیز تیرے اندر مٹ رہی ہے جیسے دھوپ کے سامنے موم پگھل جاتا ہے اور شاید تیری دلفریبی کا کسی چیز کو حاصل کرنے کی تیری صلاحیت میں راز مضمر نہ ہو بلکہ اس اعتماد کی حیثیت میں مضمر ہو کہ تو ہر ایک چیز کو حاصل کر سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ تو اپنی قوتوں کو کچھ نہ کچھ صرف کرتا ہے اس کے سوا تجھے ان کا کوئی اور استعمال دکھائی ہی نہیں دیتا اور تو جب سے ہر کوئی یہ بات کہنے پر کامل یقین رکھتا ہے۔ اگر میں نے اس طرح بے سود وقت نہ گنوایا ہوتا تو میں کیا نہ کر سکتا۔

www.taemeernews.com

میری ہی مثال لے لیجئے: میری توقعات کی بنیاد کیا تھی میں کس بات کی امید کر رہا تھا۔ کون سا شاندار مستقبل میری نظر میں تھا کہ میں آہ نہیں بھر رہا تھا اور ایک لمحہ کے لئے بھی غم محسوس نہیں کر رہا جبکہ میں اپنی پہلی محبت کے پیکرِ خیالی سے الوداع کہہ رہا تھا۔

اور پھر جن باتوں کی میں نے امید کی تھی کیا وہ پوری ہوئیں؟ اور اب جبکہ میرے راستے پر شام کا سایہ آ پڑ رہا ہے تو میرے لئے بہار کی مختصر ابتدائی طوفانی صبح کی یادوں سے بڑھ کر کوئی تابندہ و درخشندہ اور بیش بہا شے بھی ہے۔

مگر میں اپنے آپ کو الزام کیوں دے رہا ہوں؟ اُن پُرشباب اور اندھے ایام میں بھی میں اس آواز کی طرف سے بہرہ نہیں ہو گیا تھا جو مجھے پکار رہی تھی اور اس صدا سے بیگانہ نہیں تھا جو قبر سے مجھ تک پہنچ رہی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ زنیدا کی موت کی خبر سننے کے چند روز بعد میں بے مرضی سے ایک ناقابلِ مزاحمت جذبہ کے تحت ایک غریب بوڑھی عورت کے بستر مرگ کے قریب گیا جو اس مکان میں رہتی تھی جس میں میں رہتا تھا۔ وہ بستر مرگ پر تڑپ رہی تھی اور زندگی کے لئے جدوجہد کر رہی تھی۔ وہ چیتھڑوں کے تلے پڑی تھی اور اس کی چٹائی لکڑی کے دو سخت تختے تھے اور ایک تھیلا اس کا تکیہ تھا۔ اسکی زندگی افلاس کے خلاف ایک کڑی جدوجہد رہی تھی۔ وہ جانتی ہی نہیں تھی کہ مسرت کس بلا کا نام ہے۔ اس نے مسرت کا پھل کبھی چکھا ہی نہیں تھا۔ اس سے توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ موت کا خیر مقدم کریگی اور موت میں اپنی آزادی اور امن کو تلاش کریگی لیکن اسکے باوجود جب اسکا سوکھا اور مرجھایا ہوا جسم موت سے لڑ رہا تھا اور جب موت کے سرد ہاتھ کی گرفت میں اس کے سینے میں زیروبم پیدا ہوتا اور اس میں منی بھر جان باقی تھی۔ بوڑھی عورت صلیب کا نشان بناتے ہوئے سرگوشی کر رہی تھی "میرے خدا میرے گناہ بخش دے" اور خوف و ہراس اور موت کا ڈر جو اس کی آنکھوں میں نظر آ رہا تھا اس وقت آخری چنگاری کی طرح غائب ہوا جب وہ بیہوش ہو گئی.... مجھے یاد ہے کہ اس غریب اور بوڑھی عورت کے بستر مرگ پر میں نے انتہائی کرب کے ساتھ زنیدا کے بارے میں سوچا اور میرے دل میں اس خواہش نے انگڑائی لی کہ میں اس کے لئے اپنے والد کے لئے اور خود اپنے لئے دعا کروں۔